یا اللہ مدد
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
حق چار یار





اکابرین دیوبند بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

77 جولائی 2017 — شوال المکرم ۱۴۳۸ھ

بانی: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ
فیضان: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر اور ’’مروجہ مجالس ذکر‘‘ میں فرق

اس تفصیل کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کو حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ ان میں بہت نمایاں اور واضح فرق موجود ہیں۔

۱......حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس صرف تعلیم کے لیے ہوتی تھی۔ اَب ایسا نہیں۔

۲......اُس کے لیے تداعی بالکل نہیں ہوتی تھی۔ جبکہ اَب تداعی کی جاتی ہے۔

۳......اُس مجلس کو سنت یا مستحب قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ جبکہ اَب قرار دیا جاتا ہے۔

۴......وہ نئے مریدین کے لیے ہوتی تھی۔ جبکہ اَب تو غیر مریدین کے لیے بھی مجلس ہوتی ہے۔

۵......اُس میں جہر مفرط سے منع کیا جاتا تھا۔ اب لاؤڈ اسپیکر لگایا جاتا ہے۔

۶......اُن مجالس ذکر کے دوران حضرتؒ خود وضاحت فرماتے تھے کہ یہ مجلس تعلیماً ہے۔ اور ذکر کا طریقہ سکھایا جاتا تھا۔ اور یہ وضاحت بھی ہوتی تھی کہ اگر ہم اسے سنت قرار دیں اور سب پر لازم کریں اور شمولیت نہ کرنے والوں کو برا سمجھیں تو یہی مجلس بدعت بن جائے گی۔ جبکہ اب ایسا نہیں۔

۷......آخر عمر میں ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ نے مجلس ذکر موقوف بھی فرمادی تھی۔

[مروجہ مجالس ذکر اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ: ۴۴]

مطہریہ دار المطالعہ سوہدرہ جہان
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

ترتیب

اجتماعی اعتکاف اور مجمع اعتکاف میں فرق:

اجتماعی اعتکاف اور مجمع اعتکاف میں متعدد وجوہ سے فرق ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱)......اجتماعی اعتکاف میں تداعی ہوتی ہے، اعلان ہوتے ہیں اور خصوصاً اب رمضان کے آخری عشرہ کا اجتماعی اعتکاف بھی شروع ہوگیا ہے۔۲)...... بڑا اجتماعی اعتکاف فلاں مسجد میں ہوگا۔۳)......ایک شیخ کے مرید اجتماعی اعتکاف کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔

اجتماعی اعتکاف میں اعتکاف جو کہ انفرادی اور اختیاری عبادت ہے اس کو اجتماعی بنا کر غیر اختیاری بنادیا جاتا ہے اور معتکف کو اختیار ہی نہیں رہتا کہ اپنی مرضی سے جو چاہے عبادت کرسکے، مثلاً: اگر اجتماعی اعتکاف میں نظام الاوقات ذکر کا ہے تو قرآن شریف کی تلاوت نہیں کرسکتا، اور اگر نظام الاوقات کلمہ شریف کے ذکر کا ہے تو درود شریف نہیں پڑھ سکتا، اگر اجتماعی نظام الاوقات دعا کا ہے تو اس میں شامل ہونا ضروری ہے، معتکف اپنی مرضی سے سو نہیں سکتا، اور اگر اجتماعی نظام الاوقات ذکر بالجہر کا ہے تو سراً ذکر نہیں کرسکتا، اور اسی طرح اگر اجتماعی نظام الاوقات وعظ کا ہے تو معتکف اس سے تخلف نہیں کرسکتا۔

اعتکاف ایک انفرادی عبادت ہے، اس میں اجتماعیت دُور دُور تک معلوم نہیں ہوتی، اکابر کا رمضان انفرادی اعتکاف، اختیاری ذکرا ذکار، تلاوت، تصنیف پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے انفرادی کو اجتماعی قرار دینا اور اختیاری کو غیر اختیاری قرار دینا احداث فی الدین ہے۔

<u>اس لیے اعتکاف کی صحت کے لیے اجتماعیت شرط اور موقوف علیہ تو کیا مستحبات سے بھی نہیں۔</u>

اجتماعی عبادت کو انفرادی بنا دینا اور انفرادی عبادت کو اجتماعی بنا دینا احداث فی الدین ہے۔ یہ نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کی طرح ہے کہ جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا انفرادی ہے اور اجتماعی دعا بدعت ہے، پس تیسرا، چالیسواں اور اجتماعی دعا کے لیے جمع ہونا بدعت ہے۔

اعتکاف رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں سنت کفایہ ہے اور یہ خالص انفرادی اور اختیاری عبادت ہے، دورانِ اعتکاف تلاوت، ذکر، نوافل اور اس کے علاوہ جس عبادت کی رغبت ہو معتکف کرے۔ اس کا اجتماعی نظام کہ سب مل کر ایک ساتھ کلمہ مبارک کا ذکر کریں، درود شریف کا اجتماعی ورد کریں، خیر القرون سے ثابت نہیں اور فقہائے کرام میں سے بھی کسی نے اس کو اجتماعی عبادت نہیں کہا۔ [ذکر واعتکاف میں بدعات:۴۲]

پیامِ صفدر

کچھ تذکرہ عید اور اعمالِ عید کا

عید اور اس کے مسنون و مستحب اعمال اور بعض دیگر احکام کے حوالے سے مولانا مفتی راشد ڈسکوی صاحب کی تحریر پیشِ خدمت ہے جو اُنہوں نے ہماری درخواست پر ’’صفدر‘‘ کے ارسال فرمائی ہے۔ فجزاہ الله احسن الجزاء. [ادارہ]

رمضان المبارک کی ابتداء ہو چکی ہے، یقیناً اس بابرکت مہینہ کی رحمتوں، برکتوں اور مغفرتوں سے ہر ہر مسلمان اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ لے رہا ہوگا، ایسے میں چند ایسی گذارشات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا خیال پیدا ہوا جن کا تذکرہ اسی ماہِ مبارک میں کیا جانا ضروری تھا اگرچہ ان کا تعلق اس ماہِ مبارک سے نہیں بلکہ آنے والے مہینے ’’شوّال‘‘ سے ہے، لیکن اس مضمون کا آئندہ شمارہ میں آنا سود مند نہیں تھا اس لیے کہ جب تک شوال کا شمارہ منظرِ عام پر آئے گا، اس وقت تک بہت سے ایسے اعمال کا وقت گذر چکا ہوگا جو ذیل میں ذکر کئے جا رہے ہیں، چنانچہ اس مضمون میں ’’چاند رات، عید الفطر کے مسنون اعمال، نمازِ عید کا طریقہ اور اگر کوئی شخص عید کی نماز میں مسبوق ہو تو وہ اپنی نمازِ عید کی رہ جانے والی رکعتوں کو کیسے پورا کریگا؟‘‘ ان اُمور کو بیان کرنا ہے۔ اللہ رب العزت حق بات کو احسن انداز میں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

چاند رات:

احادیثِ مبارکہ میں اس رات کو ’’لیلۃ الجائزہ‘‘ (انعام کی رات) کا نام دیا گیا ہے، چونکہ اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے، اس لئے اس رات کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے، پورا مہینہ اللہ کے بندے اللہ کو راضی کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں، ایک عجیب تبدیلی کا احساس ہر بندہ محسوس کرتا ہے، عبادات میں ترقی ہو جاتی ہے۔ نماز، تلاوت کلام پاک، ذکر و اذکار، رب عزوجل سے مناجات، الغرض ہر ہر بندہ اپنے رب کی بندگی میں آگے سے آگے بڑھنے کی تگ ودو میں لگا ہوتا ہے، یہ تو عام لوگوں کا حال ہوتا ہے خواص کا تو پوچھنا ہی کیا؟! ان کے ہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ ایک الگ ہی منظر پیش کر رہا ہوتا ہے، دنیاوی معاملات و مصروفیات کو تو گویا بالکلیہ ہی خیر باد کہہ دیا جاتا ہے، اور دن، رات رب عزوجل کے تعلق و خوشنودی کے حصول کے لیے کوششوں میں گذر جاتی ہے۔

ایسے میں جب یہ مہینہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے تو پھر پہلی رات سے ہی پورے ماہ کی محنت کے

بدلے ملنے والے انعامات کا اعلان شروع ہو جاتا ہے، مذکورہ تفصیل کے بعد جب اپنے اوپر اور اردگرد کے ماحول میں نظر ڈالتے ہیں تو پھر عام لوگ تو درکنار کچھ خواص قسم کے افراد بھی رمضان کے تھکے ہارے اس رات بے فکر میٹھی نیند سوتے نظر پڑتے ہیں، حالانکہ یہ رات بھی بہت زیادہ خصوصیت کی حامل ہے۔

عیدین کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں وارد ہونے والی کئی روایات سند کے اعتبار سے اگر چہ کچھ کمزور ہیں، لیکن ایک تو فضائل کے معاملہ میں ضعیف روایات قابلِ قبول ہوتی ہیں (بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو) دوسرے ان روایات کے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے ضعف کسی درجہ میں دور بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا اس موقعہ پر روایات کی سندوں کے ضعف کو بنیاد بنا کر عیدین کی راتوں کی فضیلت کا یکسر انکار کر دینا جمہور کے موقف کے خلاف ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اور بعض دیگر محدثین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ ''شرح مسلم'' میں لکھتے ہیں:

"اتفقوا على استحباب إحياء ليلتي العيدين وغير ذلك".(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الاعتكاف، باب الاجتهاد في العشر الأواخر من شهر رمَضان: ۱/ ۳۷۲،قديمي)

اور اسی طرح اپنی کتاب ''الأذکار'' میں لکھتے ہیں:

"اعلم أنه ينبغي لمن بلغه شيء في فضائل الأعمال أن يعمل به ولو مرة واحدة ليكون من أهله، ولا ينبغي له أن يتركه مطلقاً بل يأتي بما تيسر منه لقول النبي ﷺ في الحديث المتفق على صحته((إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم)) ".(الأذكار للنووي،المشروعة في العيدين،ص: ۸ ،دار البيان،دِمَشق).

نیز ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اعلم أنه يستحب إحياء ليلتي العيدين بذكر الله تعالىٰ والصلاة و غيرهما من الطاعات للحديث الوارد في ذلك ((من أحيا ليلتي العيد لم يمت قلبه يوم تموت القلوب))......وهو حديث ضعيف رويناه من رواية أبي أمامة مرفوعاً وموقوفاً وكلاهما ضعيف لكن أحاديث الفضائل يتسامح فيها كما قدمناه في أول الكتاب واختلاف العلماء في القدر الذي يحصل به الإحياء فالأظهر أنه لايحصل إلا بمعظم الليل وقيل يحصل بساعة" (الأذكار للنووي،المشروعة في العيدين،ص: ۲۲٤ ،دار البيان،دِمَشق).

چنانچہ بہت سی کتبِ احادیث میں مثلاً: ابن ماجہ، الترغيب والترهيب،شعب الإيمان للبيهقي،الجامع الصغير، كنز العمال،مصنف عبد الرزاق، سنن الكبرى للبیہقی وغیرہ میں مذکور ہے:

''من قام ليلتي العيدين محتسباً لم يمت قلبه يوم تموت القلوب''. (سنن الكبرى للبيهقي، باب عبادة ليلة العيدين، رقم الحديث: ۶۵۱۸، ۳/ ۳۱۹، مجلس دائرة المعارف). ترجمہ: جس شخص نے عیدین (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے زندہ رکھا (عبادت میں مشغول اور گناہ سے بچا رہا) تو اس کا دل اس (قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک) دن نہ مرے گا، جس دن لوگوں کے دل (خوف و ہراس اور دہشت وگھبراہٹ کی وجہ سے) مردہ ہو جائیں گے۔

اتنی بڑی فضیلت اور اس سے ہماری غفلت!! ڈر ہے کہ کہیں ہماری اس ناشکری کا وبال ہمیں اس منعم کے عتاب میں ہی نہ مبتلا کر دے۔

عیدالفطر:

عیدالفطر مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ خوشی کا دن ہے، اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ اس دن مسلمان اللہ جل شانہ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم سے اپنے ذمہ عائد ایک بہت بڑے فریضے کی تکمیل کر چکے ہوتے ہیں، پورا مہینہ دن کو روزہ اور شب میں تراویح کی ادائیگی اور اس میں کلامِ الٰہی کے پڑھنے اور اس کے سننے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس محنت کا بدلہ یا مزدوری اس عیدالفطر کے دن دیا جاتا ہے، اِسی لیے اس دن کو آسمانوں میں ''يوم الجائزة'' (انعام کا دن) اور اس کی رات کو ''ليلة الجائزة'' (انعام کی رات) کہہ کر پکارا جاتا ہے، جیسا کہ آگے حدیث شریف میں آ رہا ہے، الغرض عید کے دن اور اس کی رات کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی فضیلت اور اہمیت ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے، جس کے کچھ حصے کا ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، جس سے اس دن اور رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے ساتھ ہونے والے معاملے کا اندازہ ہوسکتا ہے:

''پھر جب عیدالفطر کی رات ہوتی ہے تو (آسمانوں میں) اس کا نام ''ليلة الجائزة'' (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رب العزت فرشتوں کو تمام شہروں کی طرف بھیجتے ہیں وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں (راستوں) کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جن و انس کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پُکارتے ہیں کہ اے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم! اُس ربِ کریم کی (بارگاہ کی) طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے، پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اُس مزدور کا جو اپنا کام پورا

کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری پوری پوری ادا کردی جائے، تو اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ''فإني أشهدكم يا ملائكتي! إني قد جعلتُ ثوابهم من صيامهم شهر رمَضان وقيامهم رضائي ومغفرتي'' فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔

اس کے بعد اللہ تعالی اپنے بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: ''يا عبادي! سلُوني، فوعزّتي وجلالي لا تسئلوني اليومَ شيئاً في جَمْعِكم لِاٰخِرَتكم إلا أعطيتُكم، ولا لِدُنياكم إلا نَظرتُ لكم، فوَعِزّتِي لأسترنَّ عليكم عَثَراتِكُم ما راقبتُموني، وعزّتي وجلالي لَا أُخْزيكم ولا أفضَحُكم بين أصحاب الحدود، وانْصَرِفُوا مَغْفُوراً لكم قد أرضَيتموني ورضيتُ عنكم، فتَفرَحُ الملائكةُ وتَستبشِرُ بما يُعطِي اللّٰهُ عزّوجلّ هٰذه الأمةَ إذا أفطروا مِن شهرِ رمَضان'' اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر غور کرونگا، میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رُسوا نہیں کروں گا، بس! اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا اور میں تم سے راضی ہوگیا، پس فرشتے اس اجر ثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں۔ (اللهم اجعلنا منهم، آمين).

لہٰذا! اللہ رب العزت کی (عطایا کی) طرف دیکھتے ہوئے ہمیں بھی چاہیے کہ اس دن کو بھی اور اس بعد کے ایام کو بھی اس کی منشاء کے مطابق گذارنے کی کوشش کریں کہ یہی اس کی عطایا کی قدر دانی ہے، چنانچہ ذیل میں عید الفطر کے دن کے مسنون اور مستحب اعمال تحریر کئے جاتے ہیں:

عید کے دن کے اعمال:

۱......عید کے دن صبح سویرے اٹھنا۔ ''ويستحب... التبكير وهو سرعة الانتباه.''

[العالمگيرية: ۱/ ۱۴۹، رشيدية]

۲......نمازِ فجر اپنے محلے کی مسجد میں پڑھنا۔ ''ومن المندوبات صلاة الصبح في مسجد حيه.'' [ردالمحتار: ۳/ ۵۶، دار المعرفة]

۳......جسم کے زائد بال اور ناخن وغیرہ کاٹنا۔ ''ويتطيب بإزالة الشعر وقلم الأظفار.''

[حلبي كبير،ص:٥٦٦،سهيل اكيڈمي]

۴......غسل کرنا۔

۵......مسواک کرنا،(یہ اس مسواک کرنے کے علاوہ ہے جو وضو میں کی جاتی ہے، نیز مسواک کرنا خواتین کے لیے بھی مسنون ہے)

۶......جو کپڑے پاس ہوں اُن میں سے اچھے عمدہ کپڑے پہننا، نئے ہوں تو نئے پہن لیے جائیں ورنہ دُھلے ہوئے پہنے جائیں۔

۷......خوشبو لگانا (لیکن خواتین تیز خوشبو نہ لگائیں)۔"ثم يستحب لصلاة العيد ما يستحب لصلاة الجمعةمِنَ الِاغتسال والِاستياك والتطيُّب ولُبس أحسنِ الثيابِ والتبكيرِ إلى المُصلّىٰ لأنه يوم اجتماع للعبادة كالجُمعةفيستحبُ التَنظِيف وإِظهارالنِعْمة والمُسَارعة."

[حلبي كبير،ص:٥٦٦،سهيل اكيڈمي]

۸......انگوٹھی پہننا،(مَردوں کے لئے زیادہ سے زیادہ ساڑھے چار ماشہ چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اس سے زیادہ یا کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں)

"في النَهُر عن الدِراية:أَنَّ مَنْ كان لا يختم مِنَ الصحابةِ كان يختم يومَ العيد".

[ردالمحتار:٥٦/٣،دارالمعرفة]

۹......اگر صدقہ فطر ابھی تک ادا نہ کیا ہو تو عید کی نماز سے پہلے پہلے ادا کرنا۔''ويــؤدّي صـدقة الفطرإِغناءً لِلفقيرِ لِيَتَفَرَّغ قلبُه للصلاة". [فتح القدير:٧٠/٢،دارالكتب العلمية]

۱۰......عیدگاہ کی طرف جلدی جانا۔"ويَستـحِـب.....الِابتـكـارُوهـو الـمُسـارعة إلىٰ المُصَلّىٰ".[العالمگيرية:١٤٩/١،رشيدية]

۱۱......پیدل چل کر عیدگاہ جانا، البتہ اگر کوئی عذر ہو تو سواری پر جانے میں مضائقہ نہیں۔"ثُـــمّ خُروجه ماشياًإلىٰ الجَبَانةِ".[ردالمحتار:٥٦/٣،دارالمعرفة]

۱۲......نمازِ عید، عیدگاہ میں ادا کرنا، البتہ اگر کوئی عذر ہو (مثلاً: بارش ہو، دشمن کا خوف ہو یا عیدگاہ میں امام صحیح العقیدہ نہ ہو) تو مسجدِ محلّہ میں ہی نمازِ عید ادا کر لی جائے۔[کذا فی امدادالاحکام:۱/۷۳۳]

۱۳......عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے آہستہ آواز میں تکبیرات تشریق کہتے ہوئے جانا، اور عیدگاہ پہنچ کر تکبیرات بند کر دینا، تکبیرات تشریق یہ ہیں"**اَللّٰهُ أَكبَر، اَللّٰهُ أكبر، لآإِلٰه إِلا اللّٰهُ واللّٰهُ أكبر، اللّٰهُ أكبر ولِلّٰهِ الحمد**".

"ويُستَـحـبُّ التـكبيرُ جهراً في طَريق المُصلّىٰ يومَ الأضحىٰ إتّفاقاً للإِجماع وأَمّا يوم

الفطر فقال أبو حنِيفة لايُجهَرُ بِه“.[حلبي كبير،ص:٥٦٦،سهيل اكيڈمي]

۱۴......عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے کچھ کھالینا،اگر کوئی میٹھی چیز ہو(کھجور، چھوہارے یا کوئی اور چیز)تو طاق عدد میں کھانا بہتر ہے،اور اگر میٹھی چیز نہ ہو تو کوئی بھی چیز کھالی جائے۔”ويستحب في يوم الفطر أنْ يطعم قبل أن يَخْرُجَ إلى المُصَلّیٰ“.(فتح القدير:٦٩/٢،دار الكتب العلمية).

۱۵......نمازِ عید ادا کرنے کے بعد واپسی پر راستہ بدل کر آنا۔[مرقاۃ:۲۹۰/۳،رشیدیہ]

۱۶......ہر کسی سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، بشاشت کا اظہار کرنا اور غیض وغضب سے پرہیز کرنا۔”ونُدب......إظهارُ البَشاشَة“.[ردالمحتار:٥٦/٣،دار المعرفة]

۱۷......اپنی وسعت کے مطابق مستحقین اور مساکین کی مدد کرنا۔”ونُدب.........إكثارُ الصَّدَقَة“. [ردالمحتار:٥٦/٣،دار المعرفة]

۱۸......اپنی حیثیت کے مطابق اپنے گھر والوں پر کھانے وغیرہ کے اعتبار سے کشادگی کرنا۔

۱۹......اگر ممکن ہو تو عید کے دن جبہ پہننا۔”ويندب للرّجال وكان للنبي ﷺ جُبّةُ فَنَكٍ يلبَسُها في الجُمَع والأعياد“.

[حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص:٢٨٩،دار الكتب العلمية]

۲۰......ایک دوسرے کو مبارک باد دینا(بشرطیکہ اس کو لازم نہ سمجھا جائے)”ونُدب.... .التَهنِئَة بتقبَّل اللّٰهُ منَّا ومِنكُم“.[ردالمحتار:٥٦/٣،دار المعرفة...... عمدۃ الفقہ:۲۵۹/۲،۲۶۰ملخصا]

نمازِ عید کا طریقہ:

عید کی نماز دو رکعت ہے،اس کا طریقہ عام نمازوں کی ہی طرح ہے،البتہ اس نماز میں چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں(تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے)یہ تکبیرات واجب ہیں،اور ان کا ثبوت نبی کریم ﷺ،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کئی تابعین کرام سے ہے۔(مسند احمد، شرح معانی الآثار،مصنف ابن ابی شیبہ،مصنف عبد الرزاق،مبسوط سرخسی،کتاب الآثار،اوجز المسالک وغیرہ)

نماز کا طریقہ یہ ہے،سب سے پہلے دل میں یا زبان سے نیت کرلے کہ’’دو رکعت عید کی واجب نماز،چھ واجب تکبیروں کے ساتھ اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں‘‘اس کے بعد تکبیر تحریمہ یعنی ”اللّٰه أكبر“ کہہ کر ہاتھ باندھ لے،پھر ثناء،یعنی:”سبحٰنك اللهم...الخ“ پڑھ کے تین بار ”اللّٰه أكبر“ کہے،پہلی اور دوسری بار کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر نیچے لٹکا دے،البتہ تیسری بار ہاتھ نہ لٹکائے،بلکہ باندھ لے،اس کے بعد

امام ''أعوذ باللّٰہ''اور ''بسم اللہ''پڑھ کے قراءت کرے اور حسبِ قاعدہ پہلی رکعت پوری کرے۔

دوسری رکعت میں قراءت کرنے کے بعد رکوع سے پہلے اسی طرح تین مرتبہ ''اللّٰہ أکبر'' کہے جیسے پہلی رکعت میں کیا تھا، البتہ یہاں تینوں مرتبہ ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دے اور چوتھی بار رکوع کی تکبیر ''اللّٰہ أکبر'' کہہ کر رکوع میں چلا جائے، اور حسبِ قاعدہ نماز مکمل کرے۔

اگر کچھ رکعتیں چھوٹ جائیں تو نمازِ عید میں ملنے کا طریقہ:

فرائض اسلام میں سب سے بڑا، اہم اور ذی شان فریضہ ''نماز'' ہے، لیکن مقامِ افسوس ہے کہ مجموعہ امتِ مسلمہ کا شاید دس فیصد طبقہ ہی اس اہم فریضہ کی طرف متوجہ ہوگا اور اس مختصر مجموعہ میں سے اس مقدس فریضہ کے جملہ مسائل سے واقفیت رکھنے والے بھی گنتی کے ہی افراد ہیں، انہی مسائل نماز میں سے ایک اہم مسئلہ ''نمازوں کی چھوٹی ہوئی رکعات کی ادائیگی کا طریقہ'' ہے، نمازی حضرات پانچوں نمازوں میں رہ جانے والی رکعات کو ادا کرنے کا طریقہ تو شاید جانتے ہی ہونگے، لیکن ''نمازِ عید'' (جو سال میں دو بار ہی آتی ہے) کی کوئی رکعت، یا تکبیراتِ زوائد رہ جائیں تو ان کی ادائیگی کیسے کی جائے گی؟ اس کی وضاحت تو ائمہ مساجد سے بھی بیان کرتے نہیں سنا گیا، چہ جائیکہ نمازی حضرات ان مسائل سے کما حقہ واقف ہوں، اور اگر کوئی امام صاحب اس مسئلہ کو بیان کرتے سنے بھی گئے تو عید کی نماز سے پہلے بیان کر رہے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ ان افراد سے متعلق ہے جو کسی عذر کی بناء پر تاخیر سے نماز میں شریک ہو رہے ہوں، نہ کہ ان افراد کے لئے جو پہلے سے مسجد یا عیدگاہ میں موجود ہیں۔

لہٰذا سوچا گیا کہ ''نمازِ عید'' میں مسبوق (یعنی وہ افراد جن کی کوئی رکعت یا تکبیرات رہ گئی ہوں) کی جتنی بھی صورتیں بن سکتی ہوں ان کو تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ علمائے کرام وائمہ مساجد اگر عید المبارک سے چند روز قبل تفصیل سے بیان کر دیں تا کہ بہت سے صوم وصلوۃ کے پابند حضرات کی نمازِ عید خراب ہونے سے بچ سکے۔

ذیل میں وہ تمام (متوقع) صورتیں جو پیش آسکتی ہیں، ان کا حکم ذکر کیا جاتا ہے:

۱......اگر کوئی شخص ایسے وقت نماز میں شریک ہوا جب امام تکبیراتِ زوائد کہہ چکا تھا، تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھنے کے بعد فوراً تین تکبیراتِ زوائد کہے اور اس کے بعد خاموشی سے امام کی قراءت سنے۔[ردالمحتار:۶۴/۳، دارالمعرفہ، بیروت]

۲......اگر کوئی شخص ایسے وقت نماز میں شریک ہوا جب امام رکوع میں چلا گیا تھا، تو یہ شخص اندازہ کرے کہ اگر وہ قیام کی حالت میں ہی تکبیرات کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو سکتا ہو، تو ایسا ہی کرے

اور اگر اس کا گمان یہ ہو کہ اگر میں نے قیام کی حالت میں تکبیرات کہیں تو امام رکوع سے اٹھ جائے گا، تو اس آنے والے کو چاہیے، کہ وہ رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں تسبیحات کے بجائے تکبیرات کہے، لیکن اس وقت تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے، بلکہ ہاتھ گھٹنے پر ہی رکھے رہیں، ہاں! اگر رکوع میں تکبیرات کہنے کے بعد وقت ہو تو رکوع کی تسبیحات بھی کہہ لی جائیں، اور اگر آنے والا رکوع میں چلا گیا اور ابھی رکوع کی حالت میں ایک بار تکبیر کہہ پایا تھا، یا زیادہ، یا کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا کہ امام رکوع سے اٹھ گیا تو یہ بھی رکوع سے اٹھ جائے، بقیہ تکبیریں اس سے ساقط ہیں۔[عالمگیریہ:۱/۱۵۱، رشیدیہ]

۳......اگر کوئی ایسے وقت نماز میں شریک ہوا جب امام پہلی رکعت کے رکوع سے اٹھ گیا تھا، یا دوسری رکعت میں قراءت شروع کر چکا تھا، تو اب آنے والا امام کی متابعت کرے، یعنی جس طرح امام کر رہا ہے اسی طرح کرتا رہے، پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہ جانے والی رکعت اس ترتیب سے ادا کرے گا کہ اول کھڑے ہو کر ثناء پڑھے، پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے، پھر سورت ملائے، اور پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین تکبیراتِ زوائد کہے، پھر رکوع میں جائے، یعنی صورت کے اعتبار سے ''امام کے ساتھ پڑھی ہوئی دوسری رکعت اور یہ رکعت جو ادا کی جا رہی ہے'' دونوں رکعتیں ایک جیسی ہوں گی، یہ اصح قول ہے۔

[البحر الرائق:۲/۲۸۲، دار الکتب العلمیہ]

۴......اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں ایسے وقت پہنچا جب امام تکبیرات کہہ کر رکوع میں جا چکا تھا، تو اب پھر پہلی رکعت کی طرح اندازہ کرے کہ تکبیرات کہہ کر امام کو رکوع میں پا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر پا سکتا ہے تو ایسا ہی کرے، اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو رکوع میں جا کر تکبیرات کہے، اور اگر امام رکوع سے اٹھ گیا یعنی مقتدی سے دونوں رکعتیں رہ گئیں، تو یہ دونوں رکعتیں اسی طرح پوری کرے جیسے عام ترتیب میں امام کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں۔[تاتارخانیہ:۲/۳۷، قدیمی]

۵......اگر کوئی ایسے وقت میں پہنچا جب امام سلام پھیر چکا تھا، تو اب اکیلا اس نماز عید کو نہیں پڑھ سکتا، اس شخص کو چاہیے کہ کسی ایسی مسجد، یا عیدگاہ کو تلاش کرے جہاں ابھی تک عید کی نماز نہ ہوئی ہو، وہاں جا کر نماز ادا کرے اور اگر اس کو کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ چاشت کے وقت چار رکعت نفل ادا کرے۔[ردالمحتار:۳/۶۷، دار المعرفہ]

الغرض! مذکورہ بالا ممکنہ صورتیں ہی کسی کو پیش آ سکتی ہیں، اگر علمائے کرام اور ائمہ مساجد انہیں ''عید'' سے کچھ دن پہلے ہی سے ایک ایک کر کے بیان کر دیا کریں، تو یقیناً بہت سارے مسلمانوں کی ''عیدین'' کی نماز خراب ہونے سے بچ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضیات کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین) ☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالرحیم چاریاری

مروجہ مجالس ذکر......اور
برکۃ العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

ملاحظہ: مجلّہ ''صفدر'' (شمارہ: ٦٧، ستمبر ۲۰۱۶ء) میں شائع شدہ یہ مضمون متعدد مفید اضافوں اور قیمتی توضیحات کے ساتھ دوبارہ پیش خدمت ہے۔ [ادارہ]

ذکر الٰہی عظیم الشان مقصودی عبادت ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ایک انتہائی اہم، ذیشان اور مقصودی عبادت ہے۔ حتیٰ کہ پورے عالم کی جان ہے، یہ جہان اُسی وقت تک ہے جب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی ہے۔ اور ذکر اللہ ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں کسی بھی عبادت کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ: ''فلاں عبادت بہت زیادہ کرو!'' لیکن ذکر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یا ایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکراً کثیراً.'' ۔ اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اس کے علاوہ بھی قرآن وسنت میں ذکر اللہ کے فضائل اِس کثرت اور تاکید سے وارد ہیں کہ ذکر اللہ کی اہمیت اور فضیلت کا انکار یا اس کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے مودودیانہ، مماتیانہ یا غیر مقلدانہ حوصلہ درکار ہے۔ کوئی سنّی ذکر اللہ کی اہمیت سے انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ''فضائل ذکر'' میں لکھتے ہیں:

''درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے، آسمان وزمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے ہے جو سراپا ذکر ہے۔'' [فضائل اعمال: ۴۴۳]

ذِکر اللہ کے فضائل ومسائل بیان کرنا باعث اجر وثواب ہے:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر چونکہ اہم عبادت ہے۔ لہٰذا دیگر عبادات کی طرح اِس عبادت کے فضائل و مسائل بیان کرنا، اس کے لیے جلسہ کرنا، لوگوں کو جمع کرکے اس کی اہمیت وفوائد بتلانا اور تقریر وتحریر کے ذریعے اس کی ترغیب دینا نہ صرف کارِ ثواب بلکہ اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

ذکر کی اقسام:

ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذکر روحی، ذکر قلبی، ذکر جنانی اور ذکر لسانی وغیرہ۔ پھر ذکر لسانی کی دو بنیادی اقسام ہیں:......۱: ذکر جہری۔۲: ذکر خفی۔ اور دو ذیلی اور ضمنی قسمیں ہیں:......۱: اجتماعی ذکر۔۲: انفرادی ذکر۔ پھر انفرادی ذکر کی بھی دو صورتیں ہیں:......۱: انفرادی ذکر تنہائی میں۔۲: انفرادی ذکر ذاکرین کے مجمع میں۔

ذکر کی شرائط وقیود کی پابندی ضروری ہے:

ذکر کی خواہ کوئی بھی صورت ہو، اُس کے لیے کچھ شرائط ہیں، جن کی پابندی ضروری اور لازمی ہے۔ گویا دیگر عبادات کی طرح اِس عظیم الشان عبادت کے ''عبادت'' ہونے کے لیے بھی کچھ شروط وقیود ہیں۔ تاکہ اِسے بدعت ہونے سے بچایا جاسکے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہم کوئی مودودی نہیں ہیں کہ ذکر اللہ کی افادیت واہمیت سے ہی انکار کر دیں، یا مماتی وغیر مقلد نہیں کہ ذکر اللہ کی بعض جائز صورتوں کی مخالفت پر بھی کمر کس لیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم بریلوی اور بدعتی بھی نہیں ہیں کہ اپنا حلقہ بڑھانے کی خاطر جا بجا ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کی مجالس قائم کر کے اُن کے لیے تداعی جیسی بدعت کا اہتمام شروع کر دیں۔ ہم الحمدللہ اُن اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے پیروکار ہیں جنہوں نے کسی مقام اور کسی موڑ پر بھی نہ سنت کو چھوڑا اور نہ جماعتِ صحابہؓ کے طریقے کو۔ بلکہ شریعت کا مزاج سمجھ کر ہر چیز کو اُس کی جگہ پر رکھا۔ اور افراط وتفریط کی دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

امام اہل سنت، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہمارے اکابر نے فضائل ذکر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ بقدر ہمت ووسعت ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف ومشغول رہتے ہیں، اور اس کو اپنی اُخروی نجات اور نیز دنیوی فلاح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور حتی الوسع اس پر پابندی اور مداومت سے کاربند ہیں۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کو ہم اور ہمارے اکابر افضل ترین عبادت میں شمار کرتے ہیں اور بقدر توفیق پڑھتے رہتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا گہرا لگاؤ قائم رکھتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ: عند القبر آپ ﷺ بنفس نفیس خود صلوۃ وسلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اور دُور سے فرشتے آپ کو صلوۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ لیکن ذکر اور درود شریف پڑھنے کا ہم وہی طریقہ اپناتے ہیں جو قرآن کریم، حدیث شریف کے مطابق اور فقہ حنفی کے عین موافق ہے۔'' [حکم الذکر بالجہر: ۱۴]

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح ذکر کرتے تھے؟

حضرت مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم لکھتے ہیں:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ فجر اور عصر کے بعد مسجد میں رہ کر ذکر کرتے تھے اور باقی اوقات میں بھی بعض صحابہ ذکر میں مصروف ملتے تھے۔ چونکہ ان کے دور میں مسجد کو خاص اہمیت حاصل تھی کہ علم کے حلقے بھی وہیں لگتے تھے۔ قضاء وحکومت کے معاملات بھی وہیں طے پاتے تھے۔ لہٰذا ذکر کرنے والے بھی ایک طرف کو ہو جاتے تھے اور اس طرح سے ذاکرین کی مجلس یا حلقہ قائم ہو جاتا تھا۔ اس کے لیے ایک دوسرے کو دعوت نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی دوسرے لفظوں میں ان میں ذکر یا مجلس ذکر کے لیے 'تداعی' نہ تھی۔

.....تداعی کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں 'جماعتی' یا 'اجتماعی' صورت میں ذکر کرنے سے بھی اجتناب کیا جاتا تھا، جس سے مراد یہ ہے کہ سب کے سب ذاکرین اس بات کا التزام کریں کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی مخصوص ذکر کریں گے خواہ سراً خواہ جہراً۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع اور مجلس کی جو کیفیت ہم نے بیان کی اس سے بھی مجلس اور اجتماع تو حاصل ہو جاتا تھا لیکن ذکر ہر شخص اپنا اپنا کرتا تھا پھر خواہ ذکر کے کلمات ہر ایک کے مختلف ہوں یا ایک ہی ہوں۔ بہر حال اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے۔ اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت: ۱۷۷]

زیر نظر تحریر 'اجتماعی ذکر بالجہر' اور اُس کی شرائط کے بارے میں ہے:

زیر نظر تحریر میں ہم ذکر لسانی کی قسم اجتماعی ذکر بالجہر سے متعلق چند معروضات پیش خدمت کریں گے۔ اور یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ چودہ سو سالہ اکابر اہل سنت بالخصوص اکابر دیوبند اور خصوصاً برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے نزدیک اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کس صورت میں جائز ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟ اور اِس بارے میں اکابر اہل سنت کا عمل کیا تھا؟ لیکن اس سے قبل بطور تمہید کے 'ذکر بالجہر' اور 'ذاکرین کے مجمع میں انفرادی ذکر' (مجمع ذکر) کا شرعی حکم بھی باحوالہ پیش کریں گے تاکہ مسئلہ کی حقیقت نکھر کے سامنے آجائے۔

(۱)......ذکر بالجہر

ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے، لیکن غیر اولیٰ ہے:

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مخفی ذکر کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے: ''**خیر الذکر الخفی**''.. بہتر ذکر وہ

ہے جو پوشیدہ ہو۔...قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذکر کا دوسرا مرتبہ 'لسانی' یعنی زبانی ذکر کا ہے۔اس میں افضل بات یہی ہے کہ ذکر آہستہ کرے۔'' [معالم العرفان:۱۹۶/۸۔۱۹۹]

مفکر اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں:

''یاد رکھیں! کہ قیام قیامت تک اور ہر حال میں افضل ذکر ''ذِکرخفی'' ہے۔ اوراس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔...... ہاں! ذکر بالجہر بھی جائز ہے، لیکن ہمارے بزرگ ذکر خفی ہی کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔'' [ذکر اللہ کے فضائل:۲۲]

آہستہ ذکر کی فضیلت سے متعلق امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''بعض کوتاہ فہم لوگوں نے ذکر بالجہر کی آہستہ ذکر پر فضیلت کے سلسلہ میں تیس وجوہ پیش کی ہیں ....لیکن اس کے برعکس حضرت حسن بصریؒ (جو الامام، شیخ الاسلام، ثقہ، حجت اور مامون تھے۔ التوفی: ۱۱۰ھ [تذکرۃ الحفاظ:۶۷/۱]) فرماتے ہیں کہ: آہستہ ذکر کی ذکر بالجہر پر ستر گنا فضیلت ہے۔ اور اوپر کی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ اب کون احمق ہوگا جو حدیث اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے ارشاد کو خود تراشیدہ اور سینہ زاد القائی باتوں کے لیے چھوڑے گا؟ ایسی باتوں کے لیے یہی موزوں ہے کہ ؏ اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!'' [حکم الذکر:۲۳]

ذکر بالجہر کی شرائط کے بارے میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہاں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم ہے وہاں بلند آواز سے، ورنہ آہستہ آواز سے پڑھنا ہے۔ اور چاروں امام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ متفق ہیں کہ (اگر شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو [ناقل]) بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔...... البتہ اگر آدمی بالکل تنہا ہے اور اس کے بلند آواز سے ذکر کرنے کی وجہ سے کسی کی نیند یا نماز اور مطالعہ میں خلل نہیں پڑتا اور کسی بیمار کو تکلیف نہیں ہوتی تو اونچی آواز سے پڑھنے (ذکر کرنے) کی اجازت ہے۔'' [ذخیرۃ الجنان:۱۰۱/۷]

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ ''معالم العرفان'' میں فرماتے ہیں:

''لسانی ذکر کے بارے میں قانون یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور ذکر بالسر دونوں درست ہیں۔ مگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ: ذکر بالجہر اُس وقت روا ہوگا جب کہ دوسروں کے لیے باعث اذیت نہ ہو۔ اگر کوئی آدمی پاس سویا ہوا ہو، کوئی شخص بیمار ہے یا کوئی مطالعہ میں مصروف ہے تو ذکر بالجہر مکروہ ہو جاتا ہے۔ البتہ جہاں کسی دوسرے شخص کے معمولات میں نقص نہ آتا ہو، وہاں ذکر بالجہر درست ہوگا۔'' [۶۷/۸/۱]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ بالکل جائز ہے۔ لیکن اولیٰ اور افضل آہستہ ذکر کرنا ہے۔ اب سنیے کہ: بعض اکابر کے ہاں جہر کا معمول کیوں رہا؟

اکابر اہل سنت کے ہاں 'جہر' تعلیم یا علاج کے لیے تھا، لہٰذا جہر کو ثواب سمجھنا غلط ہے:

اکابر اہل سنت کے حالات وسوانح کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اُن کے ہاں عموماً ذکر بالجہر بھی تعلیم وعلاج وغیرہ فوائد کے حصول کے لیے رہا ہے۔ 'جہر' کو مقصود کبھی بھی نہیں سمجھا گیا۔ لہٰذا ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ جائز تو ہے، جیسا کہ گزر چکا، لیکن محض 'جہر' کو ثواب سمجھنا یا قربت کا ذریعہ سمجھنا غلط ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ آیت 'واذكر ربك في نفسك' کے تحت لکھتے ہیں:

''البتہ اگر کسی عارضہ کی وجہ مثل دفع خطرات یا دفع قساوت وتحصیل رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ (ذکر بالجہر) ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو، کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو، ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے، اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے۔'' [بیان القرآن: ۷۹/۲]

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حضرات صوفیائے کرام کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کے لیے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے۔ اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے۔ بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ: جہر مفرط نہ ہو۔ صرف تعلیم کی حد تک ہو۔ کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت وتشویش نہ ہو۔ اگر یہ شرطیں کلاً یا بعضاً مفقود ہوں تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے۔'' [حکم الذکر بالجہر: ۱۴]

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض بزرگان دین اپنے اپنے سلسلہ کے مطابق ابتداء میں ذکر بالجہر کراتے ہیں۔ یہ دل کی قساوت کو دُور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ جسم میں حرارت پیدا ہو۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق میں مکہ اور مدینہ میں جب ذکر کرتا تھا تو جسم میں حرکت وحرارت پیدا ہوتی تھی۔ اور میں باہر چلا جاتا تھا اور جھاڑیوں میں بیٹھ کر ذکر کرتا تھا۔ تاکہ یہ سلسلہ بھی قائم رہے اور دوسرے لوگوں کے لیے باعث اذیت بھی نہ ہو۔'' [معالم العرفان: ۶۷۴/۸]

اگر کسی بزرگ کا عمل اس کے خلاف ہے تو تاویل کی جائے گی:

حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اِس مسئلہ میں بہت تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا ہے اور مسئلہ کی تمام جہات کو خوب اچھی طرح واضح فرما کر اکابر اہل سنت کا طرزِ عمل نکھار کر پیش کیا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: اکابر کے ہاں جہر صرف تعلیم یا علاج کے لیے رائج رہا ہے۔ مقصوداً نہیں رہا۔ لہٰذا اگر کسی صحیح العقیدہ بزرگ کا عمل بھی اِس کے خلاف پایا جائے تو اُس کی اتباع نہیں کی جائے گی،

بلکہ اگر ممکن ہو تو تاویل کی جائے گی ورنہ اُن کا قول چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی۔ مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے، یا تعلیم کی خاطر ہو۔ اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے اُن کا قول ترک کر دیا جائے گا۔'' [حکم الذکر بالجہر: ۱۹۷]

''ہو سکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اَسرارہم نے ذکر جہری ابتدائی مراحل اور مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منازل طے کرنے والے مبتدیوں کے لیے جائز رکھا ہو....اور بعد کے حضرات نے ہو سکتا ہے کہ افراط وتفریط کا شکار ہو کر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو۔ (جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی بعض ایسے خلفاء کی شکایت کی ہے۔ کما مر) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟

اور پہلے گزر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام 'تعلیم' بھی ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے۔ اور آج کل ذکر جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہماری اس تاویل وتوجیہ پر کسی کو یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفی رحمہ اللہ سے سن لیں، وہ فرماتے ہیں کہ: شاید صوفیاء چشتیہ قدس اللہ اسرارہم نے مبتدی کے لیے جہر کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ تقاضائے حکمت یہی ہے۔....لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ریا اور شہرت سے احتراز کیا جائے۔'' [تفسیر مظہری: ۴۰۹/۳] اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر بالجہر کی اجازت رسیدہ بزرگوں کو نہیں دی بلکہ مبتدیوں کو دی ہے۔ اور سبھی مانتے ہیں کہ مبتدیوں کے لیے یہ اجازت بجز تعلیم کے اور کیا معنی رکھتی ہے؟ [حکم الذکر: ۲۰۸]

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ محض 'جہر' کو ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔ یاد رہے کہ ذکر بالجہر کا 'جائز' ہونا الگ بات ہے اور جہر کو 'ثواب' سمجھنا الگ بات ہے۔ دونوں کے بارے میں اکابر اہل سنت کے الگ الگ حوالے ہم نے پیش کیے ہیں۔ اَب کوئی نادان اِس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرے کہ ہم جہر کو جائز ہی نہیں سمجھتے۔ بالکل نہیں!۔ ہم تو یہ عرض کر رہے ہیں کہ: ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ بالکل جائز ہے۔ لیکن اکابر کے ہاں 'جہر' کو مقصود نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ تعلیم وعلاج وغیرہ فوائد کے لیے روا رکھا گیا ہے۔ اِس لیے 'جہر' کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔

(۲)......اجتماعی ذکر بالجہر

سابقہ سطور میں 'ذکر بالجہر' کے بارے میں اکابر اہل سنت کے اقوال ذکر ہوئے، جن کا خلاصہ یہی

ہے کہ: ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔لیکن اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ آہستہ ذکر کیا جائے۔اور 'جہر' کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔اَب ہم 'اجتماعی ذکر بالجہر' کے بارے میں اکابر کی تحریرات درج کرتے ہیں۔تا کہ اِس بارے میں اُن کا موقف واضح ہو۔یاد رہے کہ 'ذکر بالجہر' اور 'اجتماعی ذکر بالجہر' دو الگ الگ چیزیں ہیں۔بعض چالاک قسم کے لوگ دونوں کو خلط ملط کر کے اپنی بدعات پر پردہ ڈالنے کی نا کام کوشش کرتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُنہیں ہدایت نصیب فرمائے۔آمین

اجتماعی ذکر بالجہر مخصوص شرائط کے ساتھ صرف **تعلیمًا یا علاجًا** جائز ہے:

یادگارِ اسلاف، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مجالس ذکر کی صورتیں اور ان کا حکم:

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ذکر بالجہر کا فقہ حنفی سے حکم معلوم ہوا، اب مجالس ذکر کا حکم جانتے ہیں، مجالس ذکر کی تین صورتیں ہیں:

ا۔مجامع ذکر ۲۔علاجًا اجتماعی ذکر ۳۔تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر بالجہر

[ا]......مجامع ذکر: (ذاکرین کے مجمع میں انفرادی ذکر)

لوگ از خود ذکر اور عبادت کے لیے مساجد اور خانقاہوں میں جمع ہو جائیں جس میں تداعی (دعوت دینا، بلانا اور لوگوں کو جمع کرنا) نہ ہو اور لوگ اپنی اپنی صوابدید پر ذکر کریں، اس میں کوئی شخصیت داعی نہیں ہوتی، اس کو ''اجتماعی ذکر'' سے نہیں بلکہ ''مجامع ذکر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہ مجامع اکثر مساجد میں ہوتے ہیں جن کو فرشتے تلاش کرتے ہیں اور ان میں شامل ہوتے ہیں۔

[۲]......علاجاً (یا تعلیماً [ناقل]) اجتماعی ذکر:

شیخ اپنے مریدین کے لیے جو ذکر تجویز کرتا ہے اس کی رائے اور احتیاط بالجہر تجویز کرے یا بالسر۔ اجتماعی طور پر ذکر کرائے یا انفرادی طور پر ذکر کرائے یہ احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسی طرح ان اشغال کو جمعیت خاطر کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے، عبادتِ مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے۔یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے اگر جہر سے ذکر دفعِ وساوس اور جمعیت خاطر کے حصول کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے خود جہر کو طاعتِ مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔[مجالس مفتی اعظم: ۳۱۵]

[۳]......تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر:

کوئی شیخ اپنے مریدین کو یا کوئی مرید اپنے پیر بھائیوں کو اپنے شیخ کی مجلس میں شرکت کی دعوت دیتا

ہے۔ آجکل اخبار میں اشتہار یا بیان دیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ مجلس ذکر ہوگی اور باقاعدہ تداعی کی جاتی ہے۔

تینوں صورتوں کا حکم:

تیسری صورت بدعت ہے اور پہلی دونوں صورتیں جائز ہیں۔'' [ذکر واعتکاف میں بدعات: ۲۹]

تعلیم حاصل ہو جانے کے بعد اجتماعی ذکر ممنوع ہے۔

حضرت مولانا صدیق رحمہ اللہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ 'اجتماعی ذکر بالجہر' بھی صرف تعلیم یا علاج کے لیے جائز ہے۔ اور ظاہر بات ہے جو چیز تعلیم کے لیے جائز ہے، وہ تعلیم کی حد تک ہی جائز ہوگی۔ چنانچہ اجتماعی ذکر کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ جب تعلیم حاصل ہو جائے تو اس کے بعد اجتماعی ذکر کا سلسلہ ختم کر دینا چاہیے۔ ورنہ وہ بدعت بن جائے گا۔ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر سے رُک جائے۔ اور یہ اس کاروائی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔ المدخل: ۱/۱۰۹۔'' [حکم الذکر بالجہر: ٦٧]

تعلیم وعلاج کے علاوہ اجتماعی ذکر بدعت ہے:

حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ کی تحریر سے ہم جان چکے ہیں کہ 'اجتماعی ذکر بالجہر' تعلیم یا علاج کے علاوہ جائز نہیں۔ اَب ہم اِس پر بعض دیگر اکابر کے مختصر حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

(۱)......امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بدعت ہے۔ اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا۔'' [حکم الذکر بالجہر: ۱۴۲]

(۲)......اجتماعی ذکر بالجہر کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اجتماع کے ساتھ ذکر اگر بلا التزام و بلا اعلان ہو مضائقہ نہیں اور بجز حافظ صاحب کے اور کوئی تیسرا بھی نہ ہو۔'' [تربیت السالک: ۲/۹۲۵] (یعنی ایک دو فرد ہوں، اور اعلان بھی نہ ہو اور التزام بھی)

دوسرے مقام پر فرمایا:

''الجواب...... آئندہ اندیشہ ضرور ہے۔ بطور خود جو چاہیں ذکر وشغل کریں یہ بھی ممکن ہے۔ اہتمام اجتماع کا بند کرنا چاہیے۔'' [تربیت السالک: ۲/۸۱۷]

(۳)......فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اجتماعی ذکر کی ایک شکل یہ ہے کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں یا ایک کہلائے باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دہرائے جیسے بچوں کی گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔ اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محل کلام ہیں۔ [خیر الفتاویٰ: ۲/۷۰۸]

(۴)......شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔ ...... یا مثلاً نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔''

[اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۱/۱۱۳،۱۱۴]

مروجہ مجالس ذکر کا ثبوت چودہ سو سال میں نہیں ملتا:

اوپر کی سطور سے معلوم ہوا کہ اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک:

۱......'ذکر بالجہر' اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن اَولیٰ اور بہتر ہر حال میں ذکرِ خفی ہے۔

۲......محض 'جہر' کو ثواب یا قربت کا ذریعہ سمجھنا غلط ہے۔

۳......ذاکرین کے مجمع میں انفرادی ذکر کرنا بھی جائز ہے۔ جہری ہو یا خفی۔

۴......شیخ کا اپنے مریدین کی تعلیم یا علاج کے لیے اجتماعی ذکر بالجہر کرانا بھی جائز ہے۔

۵......مستقل طور پر اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس منعقد کرنا، آواز ملا کر ذکر کرنا اور ان کے لیے تداعی کرنا یہ جائز نہیں۔ بلکہ بدعت ہے۔

لیکن کچھ عرصہ سے دیوبندیت اور اکابر دیوبند کے نام لیوا بعض حضرات نے اجتماعی مجالس ذکر میں اکابر اہل سنت کے طریقے کو چھوڑ کر اہل بدعت کا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ

۱......مختلف مقامات پر اجتماعی مجالس ذکر کا مستقل انعقاد کرتے ہیں۔

۲......مجلس کے سب شرکاء آواز ملا کر ذکر کرتے ہیں۔

۳......بعض اوقات لاؤڈ اسپیکر میں ذکر کرایا جاتا ہے۔

۴......مریدین و غیر مریدین سب کو اس میں شامل کیا جاتا ہے۔

۵......اس کے لیے جگہ اور وقت کی تعیین کی جاتی ہے۔

۶......اعلانات وتداعی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اور نہ صرف یہ بلکہ مجالس ذکر کے لیے تداعی جیسی 'بدعت' کو 'مستحب' اور سنت غیر موکدہ باور کرایا جاتا ہے۔اوران حضرات نے ان مجالس اوران کے لیے تداعی کے جواز اور اثبات کے لیے لایعنی دلائل، باطل تاویلات، بے جا استدلالات اور خلط مباحث سے کام لے کر مضامین، کتابچوں اور مفصل کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔حالانکہ یہ حضرات مروجہ مجالس ذکر جن میں وقت وجگہ کی تعیین کے ساتھ تداعی اوراہتمام وباقاعدگی بھی ہوتی ہے،(اور یہ حضرات اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔)اس کی ایک مثال بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے نہیں پیش کرسکتے،حالانکہ ذکر کے مجامع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بھی تھے۔اسی طرح تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور چودہ سوسالہ اسلافِ امت میں ذکر کے مجامع موجود رہے۔لیکن مروجہ مجالس ذکر کی کوئی مثال اُن کے ہاں نہیں ملتی۔خصوصاً اکابر دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی اور برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قسم کی مجالس ذکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''(ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)صحابہ کرامؓ ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھروں میں حلقے بنا بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔مرقات:۱/۱۴۱۔'' [حکم الذکر بالجہر:۱۴۳]

اور حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں لکھا ہے:

ایک طالب علم نے سوال کہ استاذ جی! ذکر بالجہر کرنا کیسا ہے؟ آج کل جیسے تاریخ متعین کی جاتی ہے اور وقت بھی متعین کیا جاتا ہے اور سب لوگ آواز ملا کر لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرتے ہیں۔یہ کیسا ہے؟

حضرت استاذ جی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرح ذکر کرنا ٹھیک نہیں۔اس طریقے سے ذکر کرنا نہ صحابہ سے ثابت ہے اور نہ ہی ہمارے اکابرین سے۔البتہ ہمارے اکابرین چھوٹے چھوٹے کمرے بناتے تھے جس میں صرف دو تین آدمی آسکتے تھے، ان کمروں میں بیٹھ کر الگ الگ ذکر کرتے تھے۔اور آج کل تو مجلس ذکر کے نام پر لوگ اشتہار چھپواتے ہیں۔یہ بالکل جائز نہیں۔بلکہ بدعت ہے۔[ملفوظات:۱۳۰]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے بعض خلفاء کا غلو اور خلط مبحث:

حضرت ملا علی قاری، حضرت امام اہل سنت اور حضرت حکیم العصر رحمہم اللہ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ مروجہ طریقے سے ذکر کرنا نہ صحابہ سے ثابت ہے اور نہ اکابر دیوبند سے۔مگر اَب حضرت شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے بعض خلفاء، اور بعض دیگر حضرات نے ''اجتماعی مجالس ذکر بالجہر'' اور ان کے لیے تداعی کے اہتمام کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، جو حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اِن حضرات نے اپنے بیانات، مضامین اور کتب میں ''مطلق ذکر بالجہر'' اور ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کو اور اِسی طرح 'مجامع ذکر'' اور 'اجتماعی ذکر' کو ایسا خلط ملط کیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حالانکہ گذشتہ صفحات میں ہم جان چکے ہیں کہ ''ذکر خفی'' اور ''ذکر جہری'' کا باہمی تعلق اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ یعنی ذکر بالجہر کی نسبت آہستہ ذکر کرنا اولیٰ وافضل ہے، اگرچہ جائز دونوں ہیں۔ جبکہ ''اجتماعی ذکر بالجہر'' اور ''مجامع ذکر'' میں نسبت جواز اور عدم جواز کی ہے۔ یعنی مجامع ذکر بالکل جائز اور درست ہیں۔ اور اجتماعی ذکر بالجہر (تعلیم وعلاج کے علاوہ) ناجائز اور بدعت ہے۔

مجالس ذکر سے متعلق اکابر دیوبند کا مسلک اور چند اہم کتب:

مجالس ذکر پر یادگارِ اسلاف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ نے ''ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات'' نامی رسالے میں عام فہم انداز میں بہت عمدہ کلام فرمایا ہے جس کی چند سطور ہم قارئین کی نذر کر چکے ہیں۔ ''ذکر جہری'' کے شرعی حکم سے متعلق امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی دو کتب ''اخفاء الذکر'' اور ''حکم الذکر بالجہر'' بھی لائق مطالعہ ہیں۔ اِسی طرح مرشدی قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، فقیہ وقت ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ اور ترجمان اہل حق حضرت مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم کی تحریرات ہماری مرتبہ کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' میں شامل ہیں۔

جن کا خلاصہ یہی ہے کہ ذکر افضل ترین عبادت ہے۔ لیکن انفرادی عبادت ہے، اجتماعی نہیں۔ اور ذکر میں ''ذکر خفی'' افضل ہے۔ ذکر بالجہر صرف اُسے کرنا چاہیے جسے اُس کا مرشد بطورِ علاج بتائے۔ اُس کے لیے وہی بہتر ہے۔ اجتماعی ذکر کی کوئی مثال اگر ہمارے اکابر کے ہاں پائی جاتی ہے تو وہ صرف تعلیماً ہے۔ (اور اس کی اپنی شرائط ہیں۔)

چنانچہ شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ مجلس ذکر کا سلسلہ آخر میں ایک مرتبہ تو ختم فرما دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: ''ہم صرف تعلیم کے لیے یہ مجلس قائم کرتے ہیں۔''

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر:

مروجہ اجتماعی مجالس ذکر کے مجوزین اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے نام لیوا اپنی تائید میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر کا تذکرہ بڑے جوش وخروش سے کرتے ہیں۔ (اور اپنے مرشد کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔) چنانچہ ایک مرتبہ حکیم العصر حضرت مولانا

عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ایک صاحب سے پوچھا کہ: آپ کے شیخ تو ان مجالس کا اہتمام نہیں کرتے تھے، آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو وہ کہنے لگے: ''حضرت لاہوری رحمہ اللہ کرتے تھے۔'' حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ایک ہوتی ہے فقہ میں غیر مقلدیت اور ایک ہے تصوف میں غیر مقلدیت۔ اِسے میں تصوف کی غیر مقلدیت سمجھتا ہوں کہ اپنے سلسلہ اور اپنے شیخ کے طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے کو اپنا لیا جائے۔'' (حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ کا اسی مفہوم کا ایک ملفوظ مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہم نے اپنے رسالہ ''صدائے فاروقیہ'' میں بھی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: [صدائے فاروقیہ: رجب رشعبان ۱۴۳۶ھ، ص:۳۴])

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے اور بھی بعض نام لیوا حلقہ بڑھانے، از خود خلافتیں دینے اور عوام الناس کو جوڑنے کے لیے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا نام استعمال کرتے ہیں، لیکن جب مجالس ذکر کی بات کی جائے تو چھوٹتے ہی حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا نام لے دیتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر کی حقیقت جانی جائے۔

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''(مجلس یا مسجد میں بلند آواز سے ذکر ممنوع ہے۔) ہاں! تعلیم کے لیے درست ہے جیسے قادری سلسلے میں کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے پاس جب نئے نئے مرید آتے تھے تو جمعرات کے دن اونچی آواز سے ذکر کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر اتنی اونچی نہیں کہ کان کھا جائیں۔ ویسے ذکر یعنی تعلیم کے علاوہ آہستہ ہے۔'' [ذخیرۃ الجنان فی دروس القرآن: ۷ر۱۰۱]

قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(۱)......(حضرت) مولانا (عبداللطیف) جہلمی مرحوم (خلیفہ مجاز: جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ) اپنے متوسلین کو ذکر وظیفہ کی تلقین وتاکید تو فرماتے تھے، لیکن ملک میں مروجہ مجالس ذکر کے طریق پر آپ نے کبھی مجلس ذکر نہیں کرائی۔ میں نے اُن سے حضرت شیخ لاہوریؒ کی مجلس ذکر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے کہا: میں صرف ایک مرتبہ شیرانوالہ آپ کی مجلس ذکر میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت نے کبھی بھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ مجلس ذکر میں کیوں نہیں حاضر ہوتے؟ اور نہ مجاز بنانے کے بعد کبھی حضرت نے مجلس ذکر منعقد کرنے کا حکم دیا ہے اور جہلم میں حضرت کئی دفعہ تشریف لائے ہیں۔ لیکن وہاں کبھی بھی حضرت نے مجلس ذکر نہیں کرائی۔

(۲)......مناظر اہل سنت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ بھی حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، میں نے اُن سے بھی مجلس ذکر کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: میں

نے خود حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ: حضرت! ہم بریلویوں کے جماعتی ذکرِ جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ذکر جہر کراتے ہیں۔ تو حضرت (لاہوری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔''

(۳)......حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عرض یہ ہے کہ ذکر جہر کا مقصد یہ ہے کہ تمام خیالات ایک جگہ بند ہو جائیں۔ نہ ذکر زیادہ بلند آواز سے کرنا چاہیے نہ بہت آہستہ آہستہ۔ بعض نو وارد آ جاتے ہیں، جن کو اِس بات کا علم نہیں ہوتا، اِس لیے وہ بہت زیادہ بلند آواز سے ذکر کرنے لگتے ہیں۔

تربیت یافتہ احباب کا فرض ہے کہ اُن کو روک دیا کریں۔ آہستہ سے اُن کو کان میں کہہ دیں کہ اتنا زور نہ لگائیں۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بہرے کو تو نہیں سنا رہے۔'' [مجلس ذکر حصہ پنجم: ۱۰۸۔۲۲ جمادی الاولی ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء ایضاً ملاحظہ ہو ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء]

(۴)......حضرت مولانا عبیداللہ صاحب انور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ مجلس ذکر فرض، واجب یا سنت نہیں ہے اور نہ ہم کسی شخص پر اسے لازم قرار دیتے ہیں، کوئی شخص اس میں شریک ہو جائے تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ اگر نہ شریک ہو تو ہم اسے مجبور نہیں کرتے۔ لیکن جو انسان بھی اس مجلس ذکر میں اللہ کی رضا کے حصول کے لیے شامل ہوتا ہے خالی نہیں لوٹتا۔ بلکہ اللہ کی طرف سے جھولیاں بھر کر واپس ہوتا ہے۔ اکٹھے ہو کر ذکر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ بدوں کی بھی قبولیت ہو جاتی ہے۔ حضرت نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی اور اپنی بیماری اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا تھا۔ حالانکہ حضرت کا مزاج یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی حالت میں درس قرآن کا ناغہ نہیں کیا۔ مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔'' [ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء بحوالہ مجلس ذکر ۱۰ فروری ۱۹۶۶ء]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر اور مروجہ مجالس ذکر میں (بھی) بڑا فرق ہے۔

اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔ چنانچہ میں نے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی خطیب جامع مسجد صدیق اکبر چوہڑ راولپنڈی کی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ مجلس ذکر کی کیسٹ سنی ہے۔ مجلس ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلس ذکر میں شامل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں۔ [ملاحظہ ہو۔ براہین قاطعہ از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ]

ایک دفعہ لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے اجلاس میں حاضری کے بعد منچن آباد ضلع بہاولنگر کے جلسہ میں شرکت کرلیے بذریعہ ریل مولانا عبیداللہ انور صاحب کے ساتھ گیا۔راستے میں مولانا مرحوم سے میں نے کہا کہ:یہ آپ نے کیا بنایا ہوا ہے کہ فلاں ماسٹر کو فلاں حافظ کو فلاں صوفی کو مجلس ذکر کی اجازت دیتے ہیں،تو انہوں نے فرمایا کہ خود حضرت لاہوریؒ نے مرکز میں بھی مجلس ذکر ختم کردی تھی،پھر ہم نے عرض کر کے مجلس ذکر جاری کرائی۔تو میں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کے مفاسد پر نظر ہوئی ہوگی اور جو مروجہ مجالس ذکر کا حال ہے اگر یہ حضرت کی زندگی میں ہوتا تو آپ مجلس ذکر سے دوسروں کو بھی روک دیتے۔کیونکہ مفاسد کی وجہ سے امر مستحب بھی بدعت قرار دیا جاتا ہے اور اب تو مجلس ذکر گویا کہ پیری مریدی کے لیے لازم سمجھی جاتی ہے۔چنانچہ رسائل میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب نے فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائی اور فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائیں گے۔

اکابر اہل السنۃ والجماعۃ:

اکابر اہل سنت دیو بند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی،حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین مدنی قدس اللہ اسرارہم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکر جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی (مجالس منعقد) کرائی ہیں۔[تحفظ عقائد اہل سنت:۱۲۷]

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر اور ''مروجہ مجالس ذکر'' میں فرق:

اس تفصیل کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ مروجہ مجالس ذکر کو حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ان میں بہت نمایاں اور واضح فرق موجود ہیں۔

۱......حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس صرف تعلیم کے لیے ہوتی تھی۔اَب ایسا نہیں۔

۲......اُس کے لیے تداعی بالکل نہیں ہوتی تھی۔جبکہ اَب تداعی کی جاتی ہے۔

۳......اُس 'مجلس' کو سنت یا مستحب قرار نہیں دیا جاتا تھا۔جبکہ اَب قرار دیا جاتا ہے۔

۴......وہ نئے مریدین کے لیے ہوتی تھی۔جبکہ اَب تو غیر مریدین کے لیے بھی مجلس ہوتی ہے۔

۵......اُس میں جہر مفرط سے منع کیا جاتا تھا۔اب لاؤڈ اسپیکر لگایا جاتا ہے۔

۶......اُن مجالس ذکر کے دوران حضرتؒ خود وضاحت فرماتے تھے کہ یہ مجلس تعلیماً ہے۔اور ذکر کا طریقہ سکھایا جاتا تھا۔اور یہ وضاحت بھی ہوتی تھی کہ اگر ہم اسے سنت قرار دیں اور سب پر لازم کریں اور شمولیت نہ کرنے والوں کو برا سمجھیں تو یہی مجلس بدعت بن جائے گی۔جبکہ اب ایسا نہیں۔

۷......آخر عمر میں ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ نے مجلس ذکر موقوف بھی فرمادی تھی۔

سابقہ بحث کا خلاصہ:

سابقہ سطور کا خلاصہ اور ماحاصل یہ ہے کہ:

۱......ذکر اللہ ایک عظیم الشان مقصودی عبادت ہے۔ بلکہ پورے عالم کی جان ہے۔

۲......کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین قرآن کریم نے خود کی ہے۔

۳......ذکر اللہ کے فضائل سنانے، اہمیت بیان کرنے، ترغیب دینے اور اس کے مسائل سے آگاہ کرنے کے لیے جلسہ کرنا، لوگوں کو جمع کرنا، دعوت دینا سب جائز، مستحب اور اشاعت دین ہے۔

۴......ذکر کی بہت سی اقسام ہیں، ہر قسم کی اپنی شرائط ہیں، جن کی پابندی ضروری اور لازمی ہے، اُن کی پابندی کے بغیر ذکر اللہ جیسی اعلیٰ 'عبادت' بھی 'بدعت' بن جاتی ہے۔

۵......ذکر بالجہر......مجامع ذکر......اور اجتماعی ذکر بالجہر تین الگ الگ اقسام ہیں۔

۶......ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ مرشد کے حکم یا اجازت سے کرنا چاہیے۔

۷......لیکن اولیٰ و افضل بہر حال ذکر خفی ہے۔ اکابر اہل سنت اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔

۸......محض 'جہر' کو ثواب یا قربت کا ذریعہ سمجھنا غلط ہے۔

۹......مجامع ذکر بھی اپنی شرائط کے ساتھ بالکل جائز ہیں۔ فرشتے ایسے مجمع کو تلاش کرتے اور ان میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ مجامع کئی نوع سے موجب تاثیر ہیں۔

۱۰......کسی شیخ کا اپنی خانقاہ میں اپنے نئے مریدین کو سکھانے کے لیے اجتماعی ذکر بالجہر کرانا بھی بالکل جائز ہے۔ لیکن تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جائز نہیں۔

۱۱......کسی مرشد کامل کا اپنی خانقاہ میں اپنے بعض مریدین کے علاج کے لیے کچھ عرصہ اُن کو اجتماعی ذکر بالجہر کرانا یا اس کی تلقین کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن اس کا مستقل معمول بنا لینا درست نہیں۔

۱۲......شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس نئے مریدین کی تعلیم کے لیے تھیں۔ اور اُن کو بھی جہر مفرط سے روکا جاتا تھا۔

۱۳......آخر میں ایک مرتبہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے مجالس ذکر کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔ (تا کہ مجلس کو مقصود نہ سمجھا جائے۔) حالانکہ درس قرآن کا سلسلہ کبھی موقوف نہیں فرمایا۔

۱۴......صحابہ کرام بلکہ خیر القرون کے تینوں زمانوں میں اور اکابر دیوبند کے ہاں مروجہ اجتماعی مجالس ذکر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

۱۵......مروجہ طریقے پر نئے و پرانے تمام مریدین کو یا تمام حاضرین کو اجتماعی ذکر بالجہر کرانا کہ سب آواز ملا کر ذکر کریں۔ یا ایک کہلوائے، باقی اس کے پیچھے پیچھے کہیں، یہ بدعت ہے۔

۱۶......لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرنا یا کرانا بدعت ہے۔

۱۷......اجتماعی ذکر کی مجالس کے لیے وقت یا جگہ کی تعیین کرنا ناجائز اور بدعت ہے۔

۱۸......اجتماعی ذکر بالجہر کے لیے اشتہار لگانا، اخبار یا رسالے میں اعلان کرنا، موبائل، وارٹس ایپ، فیس بک وغیرہ یا کسی بھی طریقے سے دعوت دینا اور لوگوں بلانا ناجائز اور بدعت ہے۔

برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا موقف اور طرز عمل:

اس طویل تمہید اور اس کے خلاصے کے بعد اب برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف حضرت رحمہ اللہ کے طرز عمل اور مکتوبات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ کہ حضرت رحمہ اللہ کا موقف اور طرز عمل بھی بالکل وہی ہے جو اکابر اہل سنت دیوبند کا ہے۔ اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اہل سنت عوام وخواص حضرت رحمہ اللہ کے موقف سے آگاہ ہوسکیں۔ اور حضرت کے سلسلہ کے بعض وہ حضرات جو مروجہ مجالس ذکر کی تائید کرتے ہیں وہ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی فرماسکیں۔ واللہ المؤفق.

۱)......حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ [شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس، ملتان] نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیصل آباد والے اعتکاف کے معمولات ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ظہر کے بعد اعلان ہوجاتا کہ سنتوں کے بعد ختم خواجگان ہوگا جن کو طریقہ معلوم ہے آکے پڑھیں، بقیہ حضرات درود شریف پڑھتے رہیں پھر ذکر ہوگا جن کو کسی شیخ سے ذکر بالجہر کی اجازت ملی ہے وہ ذکر کریں اور باقی حضرات اپنے معمولات میں لگے رہیں۔ مولانا عبد الحفیظ مکی بالجہر دعا مانگتے۔ <u>دعا کے بعد لوگ ذکر کے لیے قبلہ رو ہوکر ذکر کرتے۔ کچھ لوگ دوازدہ تسبیح کا ذکر بالجہر کرتے کہ مسجد گونج جاتی۔</u>

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوا کہ معتکفین کے لیے ذکر بالجہر کی کوئی پابندی نہ تھی بلکہ اپنے اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق ذکر کرنے میں آزاد تھے۔'' [ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات: ۴۵، طبع سوم]

۲)...... مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی مجالس میں شرکت کرنے والے بعض علماء (حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہم اور حضرت مولانا حافظ محمد مسعود مدظلہم [مدیر مسئول: ماہنامہ حق چاریار] وغیرہما) سے بالواسطہ یہ معلوم ہوا ہے کہ: حضرت رحمہ اللہ کی مجلس میں 'اجتماعیت' نہیں ہوتی تھی، تمام شرکاء اپنے اپنے معمولات کرتے تھے۔ اگر کسی نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے کوئی بات کرنی ہوتی تھی تو وہ بات کرتا رہتا تھا۔ باقی لوگ اپنے اپنے معمولات میں مشغول رہتے تھے۔ اور آتے جاتے رہتے تھے۔ 'اجتماعی ذکر' کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔

۳)......اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات کے دو مجموعوں ''تربیت السالکین'' اور ''مکتوبات حضرت شیخ الحدیثؒ'' میں شامل بعض مکاتیب سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ ''مروجہ مجالس ذکر'' کو بدعت قرار دیتے تھے بلکہ ''ذکر بالجہر'' میں بھی شروط وقیود کا خیال رکھنے اور احتیاط کی تلقین فرماتے تھے۔ چند مکاتیب کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تلقین احتیاط:

(۱)......حضرت رحمہ اللہ ذکر بالجہر کے بارے میں احتیاط کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ذکر کے متعلق میں نے متعدد احباب کے خطوط میں لکھا کہ وہاں (حج کے موقع پر) جہر نہ کیا جائے۔ خواہ مخواہ کوئی رستے چلتا دیکھ کر مخالفت کرے۔ اپنے مقامات پر تخلیہ کی جگہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ ورنہ آہستہ کیا جائے۔[مکتوبات حضرت شیخ الحدیثؒ: ۲۰۷/۱]

حضرت رحمہ اللہ ''اپنے مقامات پر'' کے ساتھ ''تخلیہ'' (علیحدگی) کی شرط لگا رہے ہیں کہ جن کو اپنے مرشد کی طرف سے ''ذکر بالجہر'' کی اِجازت ہے، وہ اپنے مقامات پر علیحدگی میں کریں۔ اور یہ کہ کہیں مخالفت اور فتنے کا خدشہ ہو تو مرشد کی اجازت کے باوجود وہاں انفرادی جہر پر بھی اِصرار نہ کیا جائے۔

(۲)......مسجد میں ذکر بالجہر کو ''بدعتی صورت'' سے بچانے کی تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسجد میں ذکر بالجہر سے کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے سونے میں خلل نہ پڑے۔ <u>البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا ایسا اہتمام نہ کیا جائے جس سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔''</u>[مکتوبات :۴۷۵/۲] (نوٹ: سائل کا سوال انفرادی ذکر بالجہر سے متعلق ہے۔ناقل)

یعنی انفرادی طور پر ذکر بالجہر کی تو اجازت ہے، لیکن اِس انفراد میں بھی ایسا اہتمام نہ ہو کہ بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً تداعی کریں یا سب ذاکرین اِس بات کا اہتمام کرنے لگیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ جمع ہو کر اپنا اپنا ذکر کیا کریں گے۔ اِس ''اہتمام'' سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے گی۔

مروجہ اجتماعی ذکر بالجہر (حلقہ ذکر) حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک بدعت ہے:

(۳)......حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس ذکر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس ناکارہ کو تو یہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حلقہ کے ذکر کی کیا صورت ہے۔ لیکن اجتماعی ذکر (ذکر کے مجمع [ناقل]) میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں۔ یہ کئی نوع سے موجب تاثیر ہے۔ <u>لیکن حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر [ناقل]) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔</u> اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کی

وجہ یہ رہی ہے کہ اس صورت میں ذکر کی طرف توجہ تام کے بجائے عوارض کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔''

[مکتوبات:۴۹۴/۲]

اس مکتوب گرامی میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ: حلقہ (اجتماعی ذکر بالجہر) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔ اِس وضاحت اور صراحت کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کے خلفاء کا مروجہ مجالس ذکر کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے تداعی کو مستحب قرار دینا حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

(۴)......اجتماعی ذکر بالجہر سے متعلق حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کا استفسار اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں جماعت کے امیر صاحب نے اہتمام ذکر کی تجویز کی ہے اور تقریباً ۲۶/آدمیوں نے اس کے لیے نام پیش کیے ہیں، مغرب کے بعد لوگ ذکر کریں گے۔ ان کی تین جماعتیں بنادی گئی ہیں، ۶/روز مرکز میں برابر ذکر ہوا کرے گا۔

اور ساتویں روز اجتماع کا ہے، اس روز اخیر میں سب یکجائی ذکر کریں گے اور اس کی ذمہ داری اِس ناکارہ کے سر ڈالی ہے۔''

جواب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ:

''دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ مدد فرمائے۔ اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ یہ سلسلہ چلے۔ <u>اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو مثلاً یہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو، علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں۔</u> اِس کو آپ خود ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

<u>ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں (ساتویں روز [ناقل]) بھی نہ ہو،</u> مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے ہیں اس میں مضائقہ نہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''......بعض لوگ کسی سے بھی بیعت نہیں۔ ان سب کے لیے احقر پریشان ہے کہ کیا کرے بغیر بیعت کے ذکر جہر مناسب ہے یا نہیں؟''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: <u>''مناسب نہیں۔''</u>

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ: ''سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا۔''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: <u>''جہر سے نہ ہو۔''</u> [تربیت السالکین :۱۵۶۔۱۵۷]

غور فرمایئے! کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو ایک محدود سطح پر چند مخصوص حضرات ذاکرین کا نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے سوم کلمہ، استغفار اور درود شریف کو بھی جہراً پڑھنے سے منع فرما دیا۔ جو ذاکرین کسی سے بیعت نہیں تھے۔ ان کو جہر کرانے کو بھی نامناسب لکھا۔ اور جو باقاعدہ کسی کے مرید تھے، اور ذکر بالجہر کی اجازت حاصل تھی، اُن کے بارے میں یہ شرط رکھی کہ اجتماعی طور پر نہ کریں، بلکہ انفرادی طور پر ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرتا رہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بعض متعلقین سے سوال:

اب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بعض خلفاء (اور بعض وہ حضرات جو حضرت رحمہ اللہ سے خلافت کے مدعی ہیں) فرمائیں کہ:

[۱]......آپ حضرات ملک بھر کے عوامی اجتماعات میں بیان کے بعد سارے مجمع کو ذکر بالجہر کراتے ہیں۔ کیا یہ عمل آپ کے مرشد کی تعلیمات کے مطابق ہے؟

[۲]......اسی طرح آپ حضرات کے مراکز و خانقاہوں میں ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کی باقاعدہ مجالس منعقد ہوتی ہیں، جن کے لیے اشتہارات و اعلانات کے ذریعے تداعی بھی ہوتی ہے، کیا یہ سب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مزاج و ذوق اور اُن کے موقف و نظریے کے خلاف نہیں؟

[۳]......آپ حضرات اپنے خلفاء، متوسلین و متعلقین کو اجتماعی ذکر بالجہر کی مجالس منعقد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، کیا ایسا کر کے آپ اپنے شیخ رحمہ اللہ کے طریقے سے روگردانی نہیں کر رہے؟

اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو پھر آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں:

(۱)......یا تو اخلاص و عاجزی اور اپنے شیخ کی کامل اتباع کا اظہار کرتے ہوئے اپنے طرز عمل اور موقف کو حضرت شیخ رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق ڈھالیے۔

(۲)......اور یا پھر اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام الناس کے سامنے اِس بات کا برملا اظہار کریں کہ ہم اپنا حلقہ بڑھانے اور عوام و خواص کو جوڑنے کے لیے تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا نام استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اِس معاملے میں ہم نے اُن کا بلکہ چودہ سو سالہ اکابر اہل سنت کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔ اور اُن سے الگ راستہ اپنا لیا ہے۔ اور ہم اِسے ہی مفید سمجھتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ آپ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کے اختیار کردہ اس طریقے کو اکابر کا طریقہ سمجھ رہے ہیں وہ جان سکیں کہ یہ اکابر اہل سنت دیوبند کا طریقہ نہیں بلکہ یہ اہل بدعت کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی تمام فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ اور اہل سنت کو تمام داخلی و خارجی فتنوں کے اثرات سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم ☆☆☆☆

حافظ محمد عدیل عمران، لاہور

نیک لوگوں کی دعا......اور......عوام الناس کا کمزور عقیدہ

دعا کا معنی یہ ہے کہ کوئی بندۂ خدا، خدا تعالیٰ سے درخواست اور التجا کرے کہ یا اللہ فلاں آدمی کا فلاں کام تو اپنے فضل وکرم سے کر دے۔ بندہ کا دخل اس میں صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے پروردگار سے دعا اور التجا کی ہے۔ نہ یہ کہ خود اس کام کے کرنے میں کسی نوع کا کوئی دخل ہے۔

عوام الناس کے گمراہ ہونے یا کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ جب اللہ تعالی کے نیک بندوں سے دعا کراتے ہیں تو ان کی مرادیں بسا اوقات پوری ہو جاتی ہیں۔ تو لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید انہوں (اللہ تعالی کے نیک بندوں) نے یہ کام کیا ہے یا کرایا ہے۔ لیکن اس میں چند ایک باتیں سوچنے کی ہیں۔

ا)...... یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالی بندے کی ہر دعا کو قبول فرمائے یا وہ قبول فرمانے پر مجبور ہو (العیاذ باللہ) قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی قطعی اور یقینی دلیل نہیں ہوسکتی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات مبارک اور ان کی مقدس ہستیوں سے بڑھ کر کسی کی ذات مقبول خدا نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم میں اس کا بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹے کنعان کے واسطے طوفان سے نجات کے لیے دربار خداوندی میں دعا مانگی لیکن اللہ تعالی نے قبول نہ فرمائی (سورہ ہود) حضرت زکریا علیہ الصلوۃ والسلام نے اولاد کے لیے دعا مانگی اور عرصہ دراز تک وہ قبول نہ ہوئی۔ پھر جب اللہ تعالی نے حضرت یحییٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی بشارت بواسطہ وحی سنائی تو حضرت زکریا علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کے بانجھ پن اور اپنے بڑھاپے کی شکایت کی اور اس حالت میں اولاد ملنے پر تعجب کیا (سورہ اٰل عمران) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی نجات کے لیے دعا مانگی تو اللہ تعالی نے قبول نہ فرمائی اور آئندہ کے لیے دعا سے منع کر دیا (سورۃ توبہ) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی بن سلول کی مغفرت کے لیے دعا مانگی اور نماز جنازہ پڑھائی، مگر اللہ تعالی نے فرمایا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اس کے لیے یا اس جیسے دوسرے منافقوں کے لیے دعا مانگیں گے تو اللہ تعالی ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔ (سورۃ توبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سے یہ دعا مانگی کہ میری امت آپس میں قتل اور مقاتلہ نہ کرے تو اللہ تعالی نے یہ دعا قبول نہ فرمائی۔ (مسلم شریف، مشکوۃ شریف، ترمذی شریف)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی کی دعا اگر چہ نبی ہی کیوں نہ ہو قبول کرنے پر مجبور نہیں، جس طرح وہ مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں دوسروں کو کیا معلوم ہیں۔

۲)......اگر وہ چاہے تو ابلیس لعین کی بھی دعا قبول فرمالے تو اس کو کون پوچھ سکتا ہے۔شیطان نے ایک ہی دفعہ یہ کہا تھا۔اے اللہ! مجھے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت دے دے۔ارشاد ہوا کہ: جا تجھے قیامت تک کی مہلت مل گئی (قرآن کریم) خیر شیطان تو پھر ذوی العقول اور مکلّف مخلوق کا ایک فرد تھا اور عوام کے نزدیک چودہ علوم بھی اس کے سینہ میں محفوظ تھے۔لیکن ہمیں تو معلوم ہے کہ اللہ تعالی اگر چاہے تو چیونٹی کی دعا بھی قبول فرمالے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے نبیوں میں سے ایک نبی اپنے ساتھیوں کو لے کر صلوۃ استسقاء (بارش کے لیے نماز پڑھنے) کے لیے نکلے راستہ میں دیکھا کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف پاؤں کھڑے کر کے دعا کر رہی ہے۔اللہ کے نبی نے فرمایا: واپس چلے جاؤ! اللہ تعالی نے اس چیونٹی کی دعا قبول فرمالی ہے۔(مستدرک) بعض روایت میں ہے کہ وہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام تھے۔

۳)......دعا کے لیے یہی ضروری اور لازم نہیں کہ اپنے سے اعلیٰ اور افضل انسان سے ہی کرائی جائے بلکہ اپنے سے ادنیٰ اور مفضول انسان سے بھی دعا کرائی جاسکتی ہے۔صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ: اویس قرنیؒ سے اپنے لیے دعا کرانا۔حالانکہ حضرت عمرؓ صحابی تھے اور اویس قرنیؒ تابعی تھے۔

۴)......اگر کوئی زندہ بزرگ ہو تو اس کے پاس حاضر ہو کر دعا کرانا درست ہے،لیکن کسی غائب بزرگ سے طلب دعا اس بات پر مبنی ہے کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھا گیا ہے اور فقہاء کرامؒ نے اس کو کفر لکھا ہے۔اور جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کے ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتے ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔عام مردہ اور صاحبِ قبر سے دعا کرانے کے بارے میں علماء کرام کا خاصا اختلاف ہے۔

البتہ حضور ﷺ یا کسی بھی نبی کے روضہ اقدس پر جا کر آپ ﷺ سے دعا کرانا بالاتفاق جائز درست اور ثابت ہے۔لیکن صحابہ کرام وائمہ دین کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد از وفات دعا کرانے کے واقعات کو بنیاد بنا کر بعض اہل بدعت کا آپ ﷺ کو مختار کل ثابت کرنا نری لاعلمی اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ دعا کی درخواست میں تو یہ التجا ہے کہ وہ اللہ تعالی سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مراد پوری کرے، نہ یہ کہ معاذ اللہ! آپ ﷺ مشکل کشا، حاجت روا اور فریاد رس ہیں کہ لوگوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ مرادیں پوری کرنا تو صرف اللہ تعالی کا کام ہے اور بس،اس میں کسی اور کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔

۵)......آج کل مزاروں، درباروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، صاحبِ قبر سے اولاد مانگنا، بزرگ کی قبر کو سجدہ کرنا، قبر کا طواف کرنا، دھمال ڈالنا، شرکیہ قوالی پڑھنا، اور تو اور بعض درباروں میں نام نہاد جنت کے دروازے بنا دینا اور یہ مشہور کر دینا کہ جو اس دروازے سے گزرے گا وہ ''جنتی'' ہے۔ تو یاد رکھیں! اِن چیزوں کی شریعت محمدیہ میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو درباری مُلّا اِن کاموں کی تشہیر کرتے ہیں یا عوام الناس کو منع نہیں کرتے یا ان کو اور زیادہ یہ کام کرنے کو کہتے ہیں اُن کی اِن حرکات کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

۶)......میرے اس مضمون سے کوئی صاحب غلط فائدہ نہ اُٹھائیں کہ خدا کے نیک بندوں کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی یا نیکوں اور بدوں کی دعاء کا ایک سا اثر ہوتا ہے۔ حاشا و کلا! میرا یہ مدعا ہرگز نہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صالح اور نیک بندوں کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاء کو قبول کرنے پر مجبور ہو۔ (العیاذ باللہ!) لہٰذا یہ نظریہ رکھنا کہ: ''جب کوئی بزرگ دعا کر دے تو اللہ پاک ضرور بالضرور اُسے اُسی صورت میں قبول فرماتے ہیں۔'' یہ غلط ہے۔ اللہ پاک اپنے نیک بندوں کی دعاء کو قبول بھی فرماتا ہے۔ اور نسبتاً دوسرے لوگوں کی دعاؤں سے زیادہ قبول فرماتا ہے۔ اِس لیے صحیح العقیدہ، متبع سنت بزرگوں سے اپنے لیے ایمان کی سلامتی، مغفرت، ہر قسم کی خیر و عافیت اور دیگر جائز حاجات کے لیے دعائیں کراتے رہنا چاہیے۔ اور اِس کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اِسی طرح عام مسلمانوں سے بھی اپنے لیے دعاؤں کی درخواست خوب اہتمام اور تاکید سے کرنی چاہیے۔

لیکن کسی اللہ والے سے دعا کرانے کے بعد یہ سمجھنا کہ: بس! اب تو یہ کام ضرور ہو کر رہے گا۔ اللہ پر لازم ہے کہ اپنے اِس نیک بندے کی دعا بعینہٖ قبول کرے۔ یہ غلط ہے۔

اِسی طرح اللہ پاک کبھی بدکاروں کی دعائیں بھی قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ خالق ہے۔ جو چاہے کرے۔ اُس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے کی اور حق بات سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین

وفیات

حضرت مولانا نور حسین عارف مدظلہم [گوجرانوالہ] کی خوشدامن صاحبہ رحمہا اللہ [۹ مئی]

جناب خلیل الرحمٰن سومرو رحمہ اللہ [جھہان، سندھ......۲۴ مئی]

حافظ محمد علی صاحب رحمہ اللہ، امام مسجد پٹی والہ [کلورکوٹ، ضلع بھکر]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہم قسط:۳

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر کا جائزہ

اب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن سے ایک پُر مغز کلام ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے مفسرین کی تفاسیر کے یہ مأخذ کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ وہ معارف القرآن کے مقدمہ ص:۵۰ سے ۵۵ تک لکھتے ہیں:

تفسیر قرآن کے مآخذ:

علم تفسیر کو اس امت نے کس کس طرح محفوظ کیا؟ اس راہ میں انہوں نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائیں؟ اور یہ جدّ وجہد کتنے مراحل سے گزری؟ اس کی ایک طویل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کا یہاں موقع نہیں، لیکن یہاں مختصراً یہ بتانا ہے کہ تفسیر قرآن کے مآخذ کیا کیا ہیں؟ اور علم تفسیر پر جو بے شمار کتابیں ہر زبان میں ملتی ہیں انہوں نے قرآن کریم کی تشریح میں کن سرچشموں سے استفادہ کیا ہے، یہ سرچشمے کل چھ ہیں:

ا......قرآن کریم:

علم تفسیر کا پہلا مأخذ خود قرآن کریم ہے، چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ کی دعاء میں یہ جملہ موجود ہے کہ ﴿**صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**﴾ یعنی ہمیں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت کیجئے جن پر آپ کا انعام ہوا'' اب یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، لیکن ایک دوسری آیت میں ان کو واضح طور سے متعین کر دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے ﴿**فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ**﴾ (۶۹:۴) یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالح لوگ۔

چنانچہ مفسرین کرام رحمہم اللہ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم ہی میں کسی اور جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی کو اختیار فرماتے ہیں۔ (یاد رہے کہ تفسیر قرآن بالقرآن باقاعدہ تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ اجمال کی تفصیل ہوتی ہے اور ابہام کی وضاحت ہوتی ہے: جو لوگ قرآن کی تفسیر احادیث کے ذریعہ سے نہیں کرنا چاہتے ہیں اور اہل حق مفسرین کی اتباع بھی نہیں کرنا چاہتے ہیں وہ تفسیر القرآن بالقرآن پر بہت زور دیتے ہیں اور پھر اپنی طرف

سے ایک مضمون بنا کر قرآن کی کسی آیت کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور یا کسی آیت کی تائید میں قرآن کی دوسری آیت پیش کرتے ہیں اور اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں مثلاً مولانا حمید الدین فراہی صاحب جو تفسیر القرآن بالقرآن کا بڑا ادعائی گزرا ہے انہوں نے سورت الفیل میں ﴿اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ﴾ کی اس طرح شواہد پیش کر کے تفسیر کی ہے ﴿اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّاَکِیْدُ کَیْدًا﴾ (طارق) ﴿فَجَمَعَ کَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰی﴾ (طٰہٰ) ﴿لَایَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا﴾ (ال عمران) ﴿وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾ (اعراف) ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ کَیْدِ الْکَافِرِیْنَ﴾ (انفال) ﴿اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ کَانَ ضَعِیْفًا﴾ (نساء) تفسیر کچھ بھی نہیں صرف تائیدات اور شواہد کو تفسیر کہہ دیا اور فخر کیا۔ ایک شعر بھی پیش کر دیا

یقودھم النعمان منہ بمصحف وکید الخارجی مناجد (نابغہ)

(تفسیر نظام القرآن: ۴۶۲)

یہ ان لوگوں کے ہاں تفسیر ہے اور اس پر فخر کرتے ہیں اہل باطل منکرین حدیث کی تفاسیر کا یہی حال ہے جس کا تذکرہ آئندہ ہوگا۔)

۲......حدیث:

''حدیث'' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وأفعال کو کہتے ہیں، اور جیسا کہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ساتھ آپؐ کو مبعوث ہی اس لیے فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی صحیح تشریح کھول کھول کر بیان فرمادیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے قول اور عمل دونوں سے یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا، اور درحقیقت آپ کی پوری مبارک زندگی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے، اس لیے مفسرین کرام رحمہم اللہ نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ زور حدیث پر دیا ہے، اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعیّن کیے ہیں، البتہ چونکہ حدیث میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں، اس لیے محقق مفسرین اس وقت تک کسی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقید روایات کے اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو، لہٰذا جو روایت جہاں بھی نظر آجائے اسے دیکھ کر قرآن کریم کی کوئی تفسیر متعین کر لینا درست نہیں، کیونکہ وہ روایت ضعیف اور دوسری مضبوط روایتوں کے خلاف بھی ہوسکتی ہے، درحقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے، اور اس میں قدم رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں خرچ کی ہیں۔

۳......صحابہؓ کے اقوال:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کی تعلیم براہِ راست آنحضرت ﷺ سے حاصل

کی تھی، اس کے علاوہ نزولِ وحی کے وقت وہ بہ نفسِ نفیس موجود تھے، اور انہوں نے نزولِ قرآن کے پورے ماحول اور پسِ منظر کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا، اس لیے فطری طور پر قرآن کریم کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال جتنے مستند اور قابل اعتماد ہو سکتے ہیں، بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا، لہٰذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حاصل ہے، چنانچہ اگر کسی آیت کی تفسیر پر صحابہؓ کا اتفاق ہو تو مفسرین کرام اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی اور تفسیر بیان کرنا جائز نہیں سمجھتے، ہاں! اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوں تو بعد کے مفسرین دوسرے دلائل کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ کونسی تفسیر کو ترجیح دی جائے؟ اس معاملہ میں اہم اُصول اور قواعد اصول فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر میں مدوّن ہیں، ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۴......تابعین:

صحابہؓ کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا نمبر آتا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قرآن کریم کی تفسیر صحابہ کرام سے سیکھی ہے، اس لیے ان کے اقوال بھی علم تفسیر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اگر چہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تابعینؒ کے اقوال تفسیر میں حجت ہیں یا نہیں؟ [الاتقان: ۱۷۹/۲] لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۵......لغت عرب:

قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے تفسیر قرآن کے لیے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پسِ منظر میں چونکہ کوئی شانِ نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا، اس لیے ان کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ یا تابعینؒ کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لیے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے۔

۶......تدبر اور استنباط:

تفسیر کا آخری مأخذ ’’تدبر اور استنباط‘‘ ہے قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحرِ ناپید کنار ہے، جس کی کوئی حدّ و نہایت نہیں، چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں

جبکہ وہ مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن وسنت، اجماع، لغت یا صحابہ وتابعین کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی دوسرے شرعی اُصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، بعض صوفیاء نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار ونکات بیان کرنے شروع کیے تھے، لیکن امت کے محقق علماء نے انہیں قابل اعتبار نہیں سمجھا، کیونکہ قرآن وسنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ [اتقان:۲/۱۸۴]

اسرائیلیات کا حکم:

''اسرائیلیات'' اُن روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچتی تھیں، ان میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں، اس لیے ان کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے، ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام اور تابعین پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے، چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انہوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

۱)......وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ۔

۲)......وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً:

اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے، اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے، ارشاد ہے کہ: ﴿**وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا**﴾ (۲:۱۰۲) اور سلیمان کافر نہیں ہوئے، بلکہ شیاطین نے کفر کیا۔

اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار ''اُوْرِیا'' کی بیوی سے زنا کیا، یا اُسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کرلیا، یہ بھی کھلا جھوٹ ہے اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازم ہے۔

۳)......وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انہیں نقل کرنا جائز تو ہے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہے۔

[مقدمہ تفسیر ابن کثیر]

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لیے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو وصرف اور بلاغت وادب کے علاوہ علم حدیث، اصول فقہ وتفسیر اور عقائد وکلام کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شُدھ بُدھ رکھنے والے لوگ جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لیجاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو، اس لیے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ

با قاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح کوئی انگریزی دان انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لیے ماہر اساتذہ کے زیرتربیت رہ کران سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لیے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنہیں پورا کیے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿**وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ**﴾ (۵۴:۱۷) اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے اور جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لیے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت ودوزخ کے حالات، خوف خدا اور فکر آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ: **للذکر**: (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کررہا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کما حقہ سمجھنا اور ان سے احکام ومسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لیے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدّتیں صرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا

ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ: **تعلّمنا القراٰن وَالْعِلْم وَالعملَ جميعًا.** ''ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے''۔ [اتقان: ۱۷۶/۲] چنانچہ مؤطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے، اور مسند احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا۔ [اتقان: ۱۷۶/۲، نوع: ۷۷]

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعروادب میں مہارت تامّہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہوجایا کرتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لیے اتنی طویل مدّت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہوجائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لیے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ''عالم قرآن'' بننے کے لیے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزول قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شُدبُدھ پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم ودین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ: **مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ** ''جو شخص قرآن کے معاملہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''۔ [ابوداؤد، از اتقان: ۱۷۹/۲] اور: **مَنْ تَكَلَّمَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ** ''جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرلے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہدے تب بھی اس نے غلطی کی''۔ [ابوداؤد، نسائی، از اتقان: ۱۷۹/۲]

[بحوالہ مقدمہ معارف القرآن: ۵۰ تا ۵۵] (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب — مفتی رب نواز حفظہ اللہ

امکانِ کذبِ باری تعالیٰ اور آلِ غیر مقلدیت

قسط:۲

زبیر علی زئی:

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک، اللہ تعالیٰ جھوٹ بول[۴۰۹] سکتا ہے۔ اس عقیدے کے بارے میں حاجی امداد[۴۱۰] اللہ ''مہاجر[۴۱۱]'' مکی صاحب نے صاف[۴۱۲] لکھا ہے:

''براہین[۴۱۳] قاطعہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن[۴۱۴] ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الٰہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہوسکتا ہے، یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید یہ قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط[۴۱۵] ہیں اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہوگئے[۴۱۶]۔ از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ۔'' (تالیفاتِ رشیدیہ، ص:۹۸)

الجواب:

۴۰۹ ''بول سکتا ہے'' کا مطلب ہے کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے۔ مگر باوجود قدرت کے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی آئندہ بولے گا۔ مخالف سے درخواست ہے کہ وہ صاف لفظوں میں بتائے کہ اللہ کو جھوٹ پہ قدرت ہے یا نہیں تاکہ بات واضح ہو۔

''ہوسکتا ہے'' پہ اعتراض کرنے والے اپنی جماعت کے ''امام العصر'' عبداللہ روپڑی صاحب کی عبارت پہ غور کریں! وہ مودودی صاحب کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہوسکتا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل یا آپ کی اتباع سے نیا نبی اب نہیں ہوسکتا؟ اتباع سے نبی ہوسکتا ہے کیا خدا اب قادر نہیں؟ سوال ہونے سے ہے نہ (کہ) ہوسکنے سے۔'' [فتاویٰ اہلِ حدیث:۳۹/۱]

مذکورہ عبارت میں ''خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہوسکتا'' پہ نگاہ رہے۔ نیز روپڑی صاحب کی طرح کسی اور کو ''کیا خدا اَب قادر نہیں؟'' کہہ کر سوال کرنے کا حق ہے؟ اسی طرح کسی دوسرے کے لیے گنجائش ہے کہ وہ یوں کہے: سوال جھوٹ بولنے سے ہے نہ کہ بول سکنے سے۔

جس طرح مودودی صاحب ہونے اور ہوسکنے کا آسان سا فرق مدِنظر نہیں رکھ رہے تھے، اسی طرح علی زئی صاحب جھوٹ بولنے اور بول سکنے کا فرق نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔

اس کو آسان مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ روزہ دار کو حالتِ روزہ میں کھانے پینے پہ قدرت ہوتی ہے مگر وہ کھاتا پیتا نہیں۔ محض کھانے پینے پر قدرت کا ہونا عیب نہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہ ایک خوبی ہے کہ قدرت کے باوجود وہ کھانے پینے سے رُکا ہوا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے دیئے ہوئے حکم کے خلاف کرنے پر قدرت حاصل ہے مگر اس کی یہ خوبی ہے کہ باوجود قدرت کے اپنے حکم کی خلاف ورزی نہ کی ہے اور نہ کبھی کرے گا۔ کیونکہ وہ سچا ہے بلکہ سچائی میں سب سے بڑھ کر ہے۔ خود فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا.

۴۱۰

نذیر احمد رحمانی صاحب غیر مقلد نے حضرت حاجی صاحب کے متعلق لکھا:

''حاجی موصوف کا مولد ومنشا مغربی، یوپی ضلع مظفر نگر کا مشہور قصبہ ''تھانہ بھون ہے اور اطراف کے علاقوں میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے جب شورش ناکام ہوگئی اور انگریزوں کے قدم پھر جم گئے تو باغیوں کی دار گیر شروع ہوئی، حاجی صاحب کی گرفتاری کی بھی پولیس نے کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئی، وہ چھپ کر پنجاب اور سندھ کے راستے سے کراچی چلے گئے، اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ پہنچ گئے۔'' [اہلِ حدیث اور سیاست: ۳۵۸]

۴۱۱

شکر ہے کہ علی زئی صاحب نے حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کو ''مہاجر مکی'' مان لیا، ورنہ اس سے پہلے اپنی کئی تحریروں میں انہیں ''مفرور مکی'' کہتے رہے ہیں۔

۴۱۲

علی زئی صاحب کہتے ہیں: ''حاجی امداد اللہ ''مہاجر'' مکی صاحب نے صاف لکھا ہے''...عرض ہے کہ وہ عبارت مولوی نذیر احمد خان صاحب معترض کی ہے جیسا کہ اس کے اوپر دیئے گئے عنوان سے پتہ چلتا ہے، عنوان یہ ہے:

''نقلِ خط حضرت سیدنا حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفہ در مسئلہ امکانِ کذب برفع شبہات مولوی نذیر احمد خان رام پوری''

عنوان میں مذکور ''برفع شبہات مولوی نذیر احمد خان رام پوری'' الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے خود شبہ پیش نہیں کیا بلکہ انہوں نے امکانِ کذب پر مولوی نذیر احمد خان رام پوری کے شبہ کا جواب دیا۔ جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ بخدمت مولوی نذیر احمد خان صاحب بعد سلام تحیہ سلام آنکہ آپ کا خط آیا مضمون سے مطلع ہوا۔ ہر چند کہ بعض وجوہ سے عزمِ تحریر جواب نہ تھا مگر بغرضِ اصلاح اور

توضیح مطلب براہین قاطعہ اختصارا کچھ لکھ دیا جاتا ہے شاید اللہ تعالیٰ نفع پہنچاوے ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللہ''

اس تمہید کے بعد درج ذیل جواب مذکور ہے:

''واضح ہو کہ امکانِ کذب کے جو معنی آپ نے سمجھے ہیں وہ تو بالاتفاق مردود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوعِ کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلاف ہے نص صریح ومن اصدق من اللہ حدیثا وان اللہ لا یخلف المیعاد وغیرہما آیات کے۔ وہ ذات پاک مقدس شائبہ نقص کذب وغیرہ سے۔ رہا خلاف علماء کا جو در بار وقوع وعدم وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحبِ براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ دراصل کذب نہیں صورتِ کذب ہے اس کی تحقیق میں طول ہے۔ الحاصل امکانِ کذب سے مراد دخولِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف کرنے پر قادر ہے، اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو۔ امکان کو وقوع لازم نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شیء ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہو، چنانچہ اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ پس مذہب جمیع محققین اہلِ اسلام وصوفیائے وعلماء عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے، پس جو شبہات آپ نے وقوع کذب پر متفرع کیے تھے وہ مندفع ہوگئے کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ دقیق ہے عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں اس کی حقیقت کی ادراک سے ابناء زمان قاصر ہیں، آیات واحادیثِ کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ ایک ایک مثال قرآن وحدیث سے لکھی جاتی ہے...'' [تالیفات رشیدیہ:۹۸]

حاصل یہ ہے کہ ''از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ۔'' جملہ کا تعلق شبہ والی عبارت کا آخر نہیں بلکہ جوابی تحریر کا شروع ہے۔ جیسے خط لکھنے والا خط کی ابتداء میں ''از طرف فلاں'' لکھا کرتا ہے، اسی طرح حضرت حاجی صاحب نے ''از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ'' لکھ کر خط کا جواب دینا شروع کیا ہے مگر علی زئی صاحب نے اسے پچھلی عبارت کا تتمہ بنا کر معترض رمولوی نذیر احمد خان رام پوری کی عبارت کو مجیب رحاجی صاحب کی عبارت بنا دیا ہے۔ حالانکہ عبارت کے اوپر کا عنوان اور پھر بعد میں دیئے گئے جواب میں تھوڑا سا تامل کرنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ علی زئی صاحب معترض کی عبارت کو مجیب کی طرف منسوب کرنے کو ''جھوٹ'' کہتے ہیں۔ دیکھئے ان کی کتاب ''...تین سو جھوٹ''

۱۳ؔ ''براہینِ قاطعہ'' حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''میرٹھ کے مولوی عبد السمیع نے قبر پرستی اور ہندوانہ رسموں کو جائز ثابت کرنے کے لیے ''انوارِ

ساطعہ‘‘لکھی۔اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے ’’براہینِ قاطعہ‘‘لکھی۔‘‘
[تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں:۲۹۳]

ایک غیر مقلد نے ابوداود کی شروحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

’’بذل المجھود فی حل ابی داؤد: اس میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ نے سنن ابوداؤد کو بڑی خوبی کے ساتھ حل کیا ہے۔‘‘[مقدمہ ابوداود مترجم:۷۴]

٤١٤ ’’کذب ممکن‘‘ کا مطلب وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب پر قادر ہے، عاجز نہیں۔مگر قدرت کے باوجود نہ کبھی جھوٹ بولا ہے اور نہ آئندہ بولے گا۔

٤١٥ یہ عبارت معترض رام پوری صاحب کی ہے، حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کی نہیں، انہوں نے تو اس عبارت کا جواب دیا ہے جیسا کہ اوپر وضاحت ہو چکی ہے۔لہٰذا اِس عبارت کو حاجی صاحب کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

٤١٦

۱)......اول: یہ عبارت بھی معترض رام پوری کی ہے، حضرت حاجی صاحب اس سے بری ہیں۔نیز’’براہینِ قاطعہ‘‘ کتاب کو قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد نے مقامِ مدح میں پیش کیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۲)......دوم: یُضِلُّ بہ کَثِیْرًا آیت بھی ذہن میں رہے۔غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

’’اگر انصاف سے کام نہ لیا جائے تو بہت سے منکرین نے تو قرآن پر بھی اعتراض کر دیئے تھے ان کو جواب یہی ملا تھا کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَّمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفَاسِقِیْنَ۔‘‘
[فتاویٰ علمائے حدیث:۹/۲۴۶]

۳)......سوم: علیٰ سبیل التنزل بالفرض والمحال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ اگر امکانِ کذب مسئلہ کو ماننے سے قرآن اور اس کے احکام کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے اور اس سے گمراہی پھیلتی ہے(معاذ اللہ) تو عرض ہے کہ غیر مقلد علماء بھی امکانِ کذب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

غیر مقلدین کی طرف سے ’’امکانِ کذب باری تعالیٰ‘‘عقیدہ کا اثبات:

غیر مقلدین کے ’’مجتہد العصر‘‘عبداللہ روپڑی صاحب نے امکانِ کذب کے حوالے سے بریلوی و دیو بندی نزاع کا بزعمِ خود محاکمہ کرتے ہوئے لمبی بحث کی ہے اور آخر میں لکھا:

’’غرض اس قسم کی وجوہ بہت ہیں جو دیو بندیہ کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں۔‘‘[توحید الرحمٰن:۱۳۸]

روپڑی صاحب نے مسئلہ امکانِ کذب باری تعالیٰ کو’’توحید الرحمٰن‘‘ کے مقدس عنوان سے پیش کیا ہے۔یعنی امکانِ کذب باری عقیدہ ’’توحید الرحمٰن‘‘ ہے۔موحد ہونے کے دعوے دار غیر مقلدوں کو اپنے

بزرگ کی طرف سے پیش کردہ ''توحید الرحمٰن'' مان لینی چاہیے۔

امکانِ کذب کے عقیدہ کو کسی بریلوی نے گندہ عقیدہ کہا تو علی زئی صاحب کے استاد اور ان کے شیخ الاسلام محمد گوندلوی صاحب نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

''شخص مذکور (بریلوی) کی منطق دانی سنو! کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ باری عزّ اسمہ جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہے ان کو کذب کے متعلق مشیت الٰہی ثابت کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ قاعدہ عند العلماء مسلم ہے کہ قدرت مشیت سے تعلق رکھتی ہے۔ حالانکہ اس بیچارے کو اتنا علم نہیں کہ اس قاعدے سے تو ہر غیر واقع پر اللہ تعالیٰ کو غیر قادر ماننا پڑے گا۔ جو چیز واقع نہیں اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہو تو بحسبِ قاعدہ شخص مذکور مشیت کا ہونا ضروری اور مشیت وجود کو مستلزم ''فلیزم اجتماع النقیض ۔'' اصل بات یہ ہے کہ امکانِ بالذات محال بالغیر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ منطقی کہتے ہیں کہ دائمہ ضروریہ سے عام ہے، مگر حکماء کہتے ہیں کہ دوام کے لیے علت کی ضرورت ہے اور علت کے ہوتے ہوئے تخلفِ معلول محال ہے۔ لہذا عدم دائمہ محال ہے اور یہی معنی ضروریہ کا ہے۔ پس جب عدم کذب باری تعالیٰ دائم ہوگا تو لامحالہ کذب محال ہوگا، مگر اس طرح کا استحالہ امکان کے منافی نہیں ، کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی غیر واقع پر قادر نہ ہو، کیونکہ یہ غیر واقع ہے، اس صورت میں غیر ممکن اور محال ہوا۔'' [الاصلاح:۲۱۱]

گوندلوی صاحب کی عبارت ''امکان کے منافی نہیں'' پہ نگاہ رہے۔ اور ان کا بیان کردہ یہ جملہ ''اصل بات یہ ہے کہ امکانِ بالذات محال بالغیر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے'' بھی مدِ نظر رہے۔

علی زئی صاحب ''الاصلاح'' کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ کتاب استاذِ محترم حافظ عبد المنان نور پوری کی مراجعت، حافظ محمد شریف کی زیرِ نگرانی، حافظ صلاح الدین یوسف اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن فریوائی حفظہم اللہ کی تقدیم وحمایت کے ساتھ شائع ہوئی ہے، گویا کہ یہ کتاب عصرِ حاضر کے عظیم و محترم اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ کا نچوڑ ہے۔'' [علمی مقالات ۴/۱۰]

علی زئی صاحب جس کتاب کو ''اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ کا نچوڑ'' کہہ رہے ہیں اس میں امکانِ کذب باری کا اثبات ہے اور مخالف مصنف کی تردید ہے۔ کیا غیر مقلدین میں ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو علی زئی صاحب کو سمجھا دیتا کہ آپ امکان کذب باری کا انکار کر کے ''اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ'' پہ پانی نہ پھیریں!!!

علی زئی صاحب کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد کسی بریلوی پیر کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پیر صاحب! اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے اور مقولہ خداوندی ہے خدا کے جملہ اسمیہ خبریہ

میں صداقت ضروری ہے، (خاص کر آپ کے نزدیک کیونکہ آپ عقیدہ امکانِ کذب باری کو کفر سمجھتے ہیں) پس اس جملہ خبریہ کی نسبت جو خدا کا مقولہ ہے، صدق کا اعتقاد رکھنا چاہیے، یا کذب کا، یعنی یہ اعتقاد رکھیں کہ خدا نے جو یہ جملہ فرمایا صحیح ہے یا سمجھیں کہ غلط ہے اگر صحیح ہے تو ہمارا آپ کا اتفاق، اگر غلط ہے تو امکانِ کذب باری کیا یہاں تو اطلاق کذب باری ہو گیا'' [شمع توحید: ۱۲ مشمولہ رسائل ثنائیہ: ۲۱۷]

امرتسری صاحب نے قوسین کے درمیان ''خاص کر آپ کے نزدیک کیونکہ آپ عقیدہ امکانِ کذب باری کو کفر سمجھتے ہیں'' لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امکانِ کذب باری کو کفر یہ سمجھنا بریلوی عقیدہ ہے ورنہ امرتسری صاحب کو ''خاص کر آپ کے نزدیک...'' کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ رہا امرتسری کا عقیدہ وہ تو ممتنع پر بھی اللہ کو قادر مانتے ہیں۔

چنانچہ عبدالاحد خان پوری صاحب غیر مقلد، امرتسری صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''آریہ نے قرآن پر اعتراض کیا کہ قرآن میں لکھا ہے **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ اپنی مثل بنانے پر بھی قادر ہے یا نہیں۔ سواس اکفر الکافرین، اجہل الناس نے کہا کہ ہاں قادر ہے اپنی مثل بنا سکتا ہے۔ دیکھو اس اکفر الکافرین، اجہل الناس کو اس خبیث کے پلید منہ سے کتنا کفر عظیم نکلا جس کا کوئی کافر بھی قائل نہیں ہو سکتا۔'' [الفیصلة الحجازیة: ۲۱ مشمولہ رسائل اہل حدیث جلد اول]

علی زئی صاحب تو امکانِ کذب عقیدہ کی مخالفت پر قلم تھامے ہوئے ہیں، دوسری طرف ان کے شیخ الشیخ ثناء اللہ صاحب ممتنع پر اللہ کو قادر مان رہے ہیں۔

اخبار اہلِ حدیث امرتسر کی طرف نسبت کر کے کہا گیا کہ اس میں لکھا ہے:

''اللہ جھوٹ بولنے پہ قادر ہے، یہ کہنا عین ایمان ہے۔'' [اخبار اہلِ حدیث امرتسر: ۲، ۱۹۱۵ء]

میرے پاس اخبار اہلِ حدیث کا مذکورہ شمارہ نہیں ہے۔ غیر مقلدین سے مطالبہ ہے وہ بتائیں کہ کیا اخبار اہلِ حدیث کا مذکورہ حوالہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ٹھیک ورنہ ہم اسے آئندہ حذف کر دیں گے، ان شاء اللہ۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''لکنه یقدر علی الظلم ... ومخالفة الوعد ممکن عقلاً.'' [نزل الابرار: ۱/۵]

لیکن اللہ کو ظلم پر قدرت ہے... اور وعدہ خلافی کرنا عقلی طور پر ممکن ہے۔

وحید الزمان صاحب نے صراحت کر دی ہے کہ اللہ کو ظلم پر قدرت ہے اور اس کی طرف سے وعدہ خلافی کرنا بھی ممکن ہے۔ یہ امکانِ کذب باری تعالیٰ نہیں تو اور کیا ہے؟

نزل الابرار کتاب کا پورا نام ''نُزُلُ الْاَبْرَارِ مِنْ فِقْهِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ'' ہے یعنی نبی مختار (صلی اللہ

علیہ وسلم) کی فقہ سے نیک لوگوں کی مہمانی۔

وحید الزمان صاحب مزعومہ فقہ نبوی کے دسترخوان پر ''امکانِ کذب باری تعالیٰ'' پیش کرکے نیک لوگوں کی مہمانی کررہے ہیں۔

وحید الزمان صاحب ''حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ، میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا'' کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اب اس کے دو معنیٰ ہیں۔ بعضوں نے کہا: یعنی میں ظلم سے پاک اور برتر ہوں، میرا کوئی فعل ظلم نہیں ہوسکتا۔ چونکہ ساری مخلوقات میری مِلک ہے اور ظلم کہتے ہیں غیر کی مِلک میں تصرف کرنے کو اور اس کی تائید میں ایک حدیث بھی وارد ہے۔ گو اس کی سند میں گفتگو ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے آسمان اور زمین والوں کو عذاب کرے تو وہ ظالم نہ ہوگا اور اکثر علمائے اہلِ حدیث اور محققین کا یہ قول ہے کہ ظلم کہتے ہیں وضع الشیء فی غیر محلہ کو اور ظلم ممکن ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے لیکن بہ نظر وعدۂ الٰہی ان اللہ لا یظلم مثقال ذرة وما انا بظلام العبید'' اس کا وقوع ممتنع ہے اور یہی مذہب صحیح ہے۔'' [لغات الحدیث: ۱/۶۰، ح]

وحید الزمان صاحب نے ''اکثر علمائے اہلِ حدیث اور محققین کا یہ قول ہے کہ...'' کہہ کر امکانِ کذب باری تعالیٰ کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے آپ کو اہل حدیث تو کہتے ہی ہیں، ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ مقلد کی ضد محقق ہے، غیر مقلد ہی محقق ہوا کرتا ہے۔ ان کے اس دعوے کے پیشِ نظر الزاماً کہا جاسکتا ہے کہ جو محققین امکانِ کذب باری تعالیٰ کے قائل ہیں وہ غیر مقلدین ہی ہیں۔

داؤد راز صاحب غیر مقلد اپنے دعویٰ ''اللہ کی عمومِ قدرت'' پر دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں وہ (اللہ) ایسا مستغنی اور بے پرواہ ہے کہ اگر چاہے تو سب پیغمبروں اور نیک بندوں کو دم بھر میں دوزخی بنادے اور سارے بدکار اور گنہگار کو بہشت میں لے جاوے کوئی دم نہیں مار سکتا۔''

[شرح بخاری: ۵/۵۰۳، مناقب الانصار، باب مقدم النبی واصحابہ المدینۃ ح: ۳۹۲۹]

راز صاحب نے شرح بخاری اردو ۷/۶۶۹ میں بھی ''امکانِ کذبِ باری تعالیٰ'' کا اثبات کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اِن شاء اللہ۔

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

''اگر اللہ سارے آسمان والے فرشتوں اور ساری زمین کے انسانوں کو دوزخ میں ڈال دے تو خدا ظالم نہیں... اگر خدا تمام فرشتوں کو اور تمام انسانوں کو دوزخ میں ڈال دے تو اللہ سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور کوئی اللہ کو ظالم نہیں کہہ سکتا۔'' [خطبات بہاول پوری: ۴/۲۸۴]

وحید الزمان صاحب نے ''اکثر علمائے اہلِ حدیث اور محققین'' کا موقف لکھا کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے اور اس کی طرف سے ظلم کرنا ممکن ہے۔ داؤد راز صاحب کا عقیدہ ہے کہ اللہ قادر ہے کہ ''سب پیغمبروں اور نیک بندوں کو دم بھر میں دوزخی بنادے اور سارے بدکار اور گنہگار کو بہشت میں لے جاوے۔''

پروفیسر عبداللہ صاحب بھی اللہ تعالیٰ کو ''ظلم پر قادر بتاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ظالم ہونے کی نفی فرمادی ہے مگر اس کے باجود اس سے ظلم کے صدور کو یہ لوگ ممکن مان رہے ہیں، یہ امکانِ کذب باری تعالیٰ ہی تو ہے۔

علی زئی صاحب کے استاد محمد گوندلوی صاحب نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قادر ماننا امکانِ کذب باری ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے ظلم کا مسئلہ (یعنی اللہ تعالیٰ کسی معصوم کو بلا وجہ عذاب دے تو کیا اس کو ظلم کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے یا نہیں؟) بھی بعض وجوہ سے کذب کی طرح ہے۔ یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔'' [الاصلاح:۲۱۲]

علی زئی صاحب نے ''الاصلاح'' کتاب کو ''اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ کا نچوڑ'' قرار دیا، جیسا کہ پیچھے اُن کی کتاب ''علمی مقالات [۱۰/۴]'' کے حوالہ سے مذکور ہے۔ نیز انہوں نے ''الاصلاح'' کے مصنف گوندلوی صاحب کو ''شیخ الاسلام'' وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے جیسا کہ حاشیہ: ا میں ہم ان کی کتاب ''فاتحہ خلف الامام: ۱۱'' کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں۔

صفی الرحمٰن مبارک پوری صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

''اس بحث میں بھی بریلوی مناظر نے شاہ اسماعیل شہید کی عبارت آگے پیچھے سے کاٹ کر بلکہ بیچ سے بھی بعض الفاظ الٹ پلٹ کر اپنی حیثیت عرفی کو نمایاں کیا ہے۔ یہ بحث دقیق فلسفیانہ تنقیح و تجزیہ پر مبنی ہے جو بہت سے اہلِ علم کی رسائی سے بالاتر ہے عام لوگوں کے لیے بحث کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید اور مخالفین دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صادر ہونا محال ہے، اختلاف اس بات میں ہے کہ اس کے محال ہونے کی وجہ کیا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید کے مخالفین یعنی بریلوی علماء اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا وہ بہت سے کاموں سے بالکل عاجز، بے بس اور مجبور ہے۔ ان کے برخلاف شاہ اسماعیل شہید یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ عاجز، بے بس، مجبور نہیں لیکن جو کام اس کی حکمت کے تقاضے کے خلاف ہو اس کام کا اس سے صادر ہونا محال ہوتا ہے اس لیے جھوٹ کا صادر ہونا بھی محال ہے منطق

اصطلاح میں اس کو یوں کہا جائے گا کہ پہلے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صادر ہونا ممتنع بذاتہ ہے اوردوسرے قول کے مطابق ممتنع لغیرہ ہے۔[رزمِ حق وباطل:۱۶۸]

اس کتاب ''رزمِ حق و باطل'' میں صفی الرحمٰن مبارک پوری کے اُس مناظرہ کی روائیداد ہے جو انہوں نے ضیاء المصطفیٰ بریلوی سے کیا ہے۔

محمد عبداللہ غازی پوری صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

''ہماری دانست میں خدائے پاک کے امکانِ کذب کا مسئلہ بھی مسائلِ قسم دوم سے ہے جن پرسنی اور بدعتی ہونے کا معیار نہیں گوخالص سنت تو یہی ہے کہ اس میں بھی بالکل خوض نہ کیا جائے جیسا کہ سلف نے خوض نہیں کیا۔یہی مسلک اہلِ حدیث کا ہے اللھم احشرنا فی زمرتھم.''

[مجموعہ رسائل حافظ محمد عبداللہ غازی پوری:۲۴۷،تحقیق وتخریج حافظ شاہد محمود]

غازی پوری صاحب کے نزدیک امکانِ کذب باری تعالیٰ کا قائل کافر تو کجا بدعتی بھی نہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے امکانِ کذب کے مسئلہ پر''الجھد المقل''کتاب لکھی ہے۔قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد نے اُن کی اس خدمت کو سراہا ہے۔چنانچہ سیف صاحب لکھتے ہیں:

''مولوی فضلِ حق رامپوری نے ایک رسالہ''امتناعِ کذب باری'' لکھا،شیخ الہند مولانا محمود حسن نے''الجھد المقل فی قدرۃ المعز و المذل''لکھ کران کی علمی بے بضاعتی اورعلمی بے مائیگی کوواضح کیا۔[تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں:۲۹۳]

اگر امکانِ کذب مسئلہ کو ماننے سے قرآن اوراس کے احکام کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہےاوراس سے گمراہی پھیلتی ہے(معاذاللہ)تو بتائیے!جوغیر مقلد علماء امکانِ کذب کا عقیدہ رکھتے ہیں،ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُری صفات مثلاً امکانِ کذب باری تعالیٰ کا انتساب صریحاً کفر ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہےاوروہ تمام بُری صفات سے پاک ہے۔جوشخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بُری صفات کو منسوب کرتا ہےوہ کافر ہے۔''[حاشیہ شرح حدیثِ جبریل:۱۲۸]

اگر امکانِ کذب کا قائل کافر ہےتواس عقیدہ کے حاملین آلِ غیر مقلدیت کو کافر کہنے کی ہمت کس غیر مقلد میں ہے۔زیادہ نہیں ایک اورصرف ایک مستند غیر مقلد عالم کا نام پیش کردیں جس نے امکانِ کذب باری کا عقیدہ رکھنے والے علمائے غیر مقلدین کو نام بنام کافر کہا ہو؟ (جاری۔۔)

(۳۲)

مخدوم مکرم جناب حضرت شیخ الحدیث صاحب زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مندرجہ ذیل سوالات کی وضاحت فرما کر جواب سے تشفی بخشیں، شیخ التفسیر حضرت مولانا صاحب ہر جمعرات کو مجلس ذکر منعقد فرمایا کرتے تھے، جواب بھی ان کے جانشین وصاحبزادے ودیگر خلفاء منعقد فرماتے ہیں۔ اس میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر بالجہر جماعتی طور پر ہوتا ہے۔

کتاب وسنت کی روشنی میں مطلع فرمایئے کہ آیا یہ درست اور جائز ہے؟ بعض حضرات اس کو بدعت بتلاتے ہیں۔ فقط

جواب:

مکرم محترم۔ مدفیوضکم، بعد سلام مسنون، گرامی نامہ پہنچا اس ناکارہ کو تو یہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حلقہ کے ذکر کی کیا صورت ہے۔ لیکن اجتماعی ذکر میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں یہ کی توجہ سے موجب تاثیر ہے لیکن حلقہ کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔

اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ اس صورت میں ذکر کی طرف توجہ تام کے بجائے عوارض کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔

وہاں آپ کے یہاں علماء حق اور مشائخ معتبر کثرت سے موجود ہیں۔ وہ صورت حال سے واقف بھی ہوں گے، بندہ کے خیال میں ان کی طرف مراجعت مناسب ہوگی۔'' محمد زکریا ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ۔

(۳۳)

بخدمت شریف حضرت آقائی وملجائی دامت فیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گذارش خدمت میں یہ ہے کہ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوں انکے معمولات بھی بحمد اللہ کچھ نہ کچھ پورے کرتا رہتا ہوں۔ حضرت قدس سرہٗ اپنے متعلقین کو امداد السلوک کا

تربیت السالکین ۵۰

اقتباس مکتوب حضرت مفتی صاحب قدس سرہ

ایک چیز یہاں پیش آئی اور وہی ہے جس سے سہارنپور میں احقر جانا چاہتا۔ یہاں حضرت والا اس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور احقر اس سے گھبراتا تھا، یعنی یہاں جماعت کے امیر صاحب نے اجتماعی ذکر کی تجویز کی ہے اور تقریباً ۲۶ آدمیوں نے اس کے لئے نام پیش کئے ہیں۔ مغرب کے بعد یہ لوگ ذکر کریں گے ان کی تین جماعتیں بنادی گئی ہیں، ہر جماعت ہفتہ میں دو روز ذکر کرے گی، ایک جماعت بعد مغرب ہاورہ، جماعتیں بعد عشاء اسی طرح ۶ روز مرکز میں برابر ذکر ہوا کرے گا اور ساتویں روز اجتماع ہوگا کہ اس روز سب یکجائی ذکر کریں گے اور ان سب کی نگرانی اور ذمہ داری اس ناکارہ کے سر ڈالی ہے اور سب ارکان شوریٰ نے متفقہ طور پر اس کو طے کر دیا اور ذاکرین کی کیفیت یہ ہے کہ بعض لوگ حضرت والا سے پہلی قدس سرہ سے بیعت ہیں۔ گزشتہ سال ان لوگوں نے علی میاں صاحب سے ذکر پوچھا تھا انہوں نے ان لوگوں کو اس ناکارہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ ان کو ذکر بتا دے، مگر احقر نے عذر کر دیا تھا، پھر وقت ملاقات زبانی بھی کہا تھا کہ یہ لوگ بیعت ہو گئے تھے مگر حضرت نے اپنے ہی لوگوں کے حوالہ کر دیا تھا اب میں تمہارے حوالہ کرتا ہوں۔ احقر نے اس پر عذر کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ذکر تو آپ ہی بتادیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تک ان لوگوں نے ذکر شروع نہیں کیا، بعض لوگ مولانا قاری محمد طیب صاحب سے بیعت ہیں ان کو ذکر خط کے ذریعہ سے مولانا نے خود ہی بتا دیا تھا، احقر سے بھی بعض لوگ کسی سے بھی بیعت نہیں، ان سب کے لئے احقر پریشان ہے کہ کیا کرے، بغیر بیعت کے ذکر جو مناسب تھا بتا دیا ہے۔ سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا۔ ابھی ایک صاحب شاہ حکیم مولانا وصی الحق صاحب ابن حضرت مولانا صادق الیقین صاحب تشریف لائے ہیں، سہارنپور حضرت والا سے ملنے کے لئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے سلام کہتے ہیں۔

والسلام

احقر محمود غفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم ذکریا ڈاکخانہ

۱۳ / ۱۵ ...

☆☆☆☆☆

تربیت السالکین

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے اصلاحی وسلوکی ... مکتوبات

حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی مدظلہ العالی

دار الاشاعت

مکتوبات حضرت شیخ الحدیث ... جلد دوم ۲۰۵

... حضرت مدنی ... کے متعلق ... ذکر کی اجازت ہے ... شامل ہو گئے ... بعض حضرات ... سے مطلع فرما کر عنایت کیا جائے۔

جواب: ... بعد سلام مسنون!

مسجد میں اگر بالجہر ذکر سے نمازیوں، قرآن پڑھنے والوں کی نماز وغیرہ میں خلل پڑتا ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس کا بھی اہتمام نہ کیا جائے کہ کسی سے ہرگز کدورت پیدا نہ ہو جائے۔

فقط

محمد زکریا

... ذی الحجہ ...ھ

(۲۳)

... جماعت اسلامی ... مولانا مودودی ... کا مطالعہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے ... جماعت اسلامی ... کے متعلق ... مطلع فرمائیے۔

جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں سے کیا برتاؤ رکھا جائے اور ان کو مسلمان سمجھا جائے یا نہیں۔ فقط

جواب: عنایت فرمانم سلمہ۔ بعد سلام مسنون

گرامی نامہ پہنچا ... کہ آپ اس قدر قریب ہوتے ہوئے ...

مکتوبات حضرت شیخ الحدیث ... جلد اول

خواب

حج کے بعد ... صوفی اقبال کے ساتھ مدینہ منورہ گیا، اس رات میں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ... مسجد نبوی میں ... کے وقت ... تشریف لائے ... حضرت کے ... پیچھے ... حضرت والا نے اشارہ سے ... زیارت کی ...

☆ ☆ ☆

مکتوب نمبر ۹۵

از: حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ

بنام: ڈاکٹر اسماعیل صاحب

تاریخ ... ۱۳ ...

عنایت فرمانم ڈاکٹر اسماعیل صاحب سلمہ

بعد سلام مسنون ... حضرت ... نامہ پہنچا ... ذکر کی ... کے ... کام ... طلبہ ... ۔

تم نے حج ملک صاحب کے گھروں میں ... ذکر کے متعلق میں نے متعدد احباب کے خطوط میں لکھا کہ وہاں جہر نہ کیا جائے ... سے چلائے ...

عکس تربیت السالکین صفحہ ۱۵۷_۱۵۸

اقتباس جواب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ

۱)...... دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہو جائے، اللہ تعالیٰ شانہٗ مدد فرمائے اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ سے یہ سلسلہ چلے، اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو جائے، مثلاً یہ کہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں اس کو آپ ہی خود اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں بھی نہ ہو۔ مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے تھے اس میں مضائقہ نہیں۔

۲)...... اچھا کیا عذر کر دیا، علی میاں سے کہہ دیجئے کہ جو لوگ حضرت اقدس سے تعلق رکھتے ہیں ان کو تو آپ خود ہی جو دل چاہے بتائیں دوسرے پر محول نہ کریں البتہ جو لوگ براہ راست علی میاں سے بیعت ہیں اگر وہ کہہ دیں تو ان کو بتانے میں مضائقہ نہیں اسی طرح اس ناکارہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی بتانے میں حرج نہیں۔

۳)...... اس کے لئے بہتر بلکہ ضروری یہ ہے کہ آپ ان کو کہہ دیں کہ وہ خود مولانا ہی سے جا کر سمجھیں، مولانا تو کانپور لکھنؤ وغیرہ کا سفر بھی کثرت سے کرتے رہتے ہیں اس لئے کوئی دقت بھی نہیں، البتہ اگر وہ مولانا قاری طیب صاحب سے یہ اجازت لے لیں کہ آپ سے پوچھ لیا کریں تو مضائقہ نہیں۔

۴)...... پریشانی کی کیا بات ہے ان کو استخارہ کو مشورہ دیں پھر جدھر میلان ہو تبلیغی لوگوں کے لئے مولانا یوسف صاحب زیادہ مناسب ہیں۔

۵)...... مناسب نہیں، (۶)...... جبر سے نہ ہو

۷)...... سر آنکھوں پر مگر محض اس ناپاک سے ملاقات کے لئے شدر حال مناسب نہیں، دیوبند یا رائے پور یا نظام الدین کو شریک کرلیں تو مضائقہ نہیں۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم

۱۶ر جمادی الاولیٰ